بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسائیکلو پیڈیا بریٹینیکا

میں

اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ بہتانات

جہالت اور بغض پر مبنی ۲۲ الزامات اور غلط بیانیوں کا مدلل جواب

پروفیسر ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ (پی ایچ ڈی)

استاد ثقافت اسلامیہ و صدر شعبہ ترجمہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

نام کتاب ——— انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتانات

مصنف ——— ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ
پروفیسر جامعہ اسلامیہ - مدینہ منورہ

ناشر ——— فتح اللہ خان

مطبع ——— زیب آفسٹ پرنٹرز ۱۰۵-H گلبرگ III - لاہور

تعداد ——— ۲ ہزار

قیمت ——— ۴۰/- روپے

انتساب

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام

جو ابتدا میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمن تھے۔ برہنہ تلوار لیے آپ کو قتل کرنے چلے، مگر ان کی صداقت، خلوص اور اخلاقی جرأت نے انہیں حُبِ رسولؐ کی معراج تک پہنچا دیا۔

ان کی تلوار بے نیام رہی ——— مگر کس لیے؟

دُعا ہے کہ ناقدینِ اسلام میں اگر کچھ خلوصِ نیت ہے تو انہیں سیدنا عمر فاروقؓ کے نقش ہائے قدم نصیب ہوں۔ مگر یہ فیصلہ تو انہی پر ہے کہ ان میں کون عمرؓ بن خطاب کی راہ اپناتا ہے اور کون عمرو بن ہشام (ابوجہل) کی۔

فہرست مضامین

صفحہ نمبر

تعارف

رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے سیکرٹری جنرل صاحب نے گزشتہ دنوں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ذمہ دار حضرات کو انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں شائع شدہ ایک مقالہ بعنوان "اسلام" کی طرف توجہ دلائی اور اس میں مذکورہ الزامات اور غلط بیانیوں کا جواب لکھنے کو کہا۔

مدینہ یونیورسٹی کے ذمہ دار حضرات نے یہ خدمت مجھے سونپ دی۔ میں نے اس مقالہ کے علاوہ اسی انسائیکلوپیڈیا میں ایک اور خطرناک مقالہ بعنوان "محمدؐ" بھی بغور پڑھا۔

ان کے علاوہ "اسلام" اور "محمدؐ" کے عنوانات کے تحت دو مقالے انسائیکلوپیڈیا امریکانا طبع ۱۹۵۸ء میں بھی زیر مطالعہ آئے۔ یہاں بھی شدید قسم کی غلط بیانیاں اور الزامات موجود ہیں، لیکن جہالت، غلط بیانی اور بددیانتی کا جو معیار انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے قائم کیا ہے موخر الذکر ابھی تک وہاں نہیں پہنچا ہے۔

میں نے فی الحال انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۶۸ء کے دو مقالات "اسلام" اور "محمدؐ" پر ہی توجہ مرکوز کی ہے۔

میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ میں زیر نظر کتاب میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی دفاع نہیں کر رہا۔ میری نظر میں یہ دفاع کے محتاج نہیں ہیں اور خاص طور پر جب الزامات، بہتانات اور غلط بیانیاں اس قدر احمقانہ ہوں تو وہ فی الحقیقت از خود دفاع بن جایا کرتی ہیں۔ سیدھے الفاظ میں ان تمام خرافات کو اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ دنیا کا سمجھدار طبقہ کم از کم یہ تو دیکھ لے کہ اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقدین کس قدر احمق، جاہل اور بدنیت ہیں۔ اسلام دشمنی نے انہیں کس قدر اندھا کر دیا ہے۔ وہ لوگ جو حق کے متلاشی، غیر جانبدار، غیر متعصب، معقول اور اہل علم ہونے کے مدعی ہیں ان

کی علمی دیانت، تلاشِ حق اور علمی معیار کے چند کرشمے میں نے آئندہ صفحات میں درج کر دیئے ہیں تاکہ دنیا کے مخلص اہلِ علم از خود فیصلہ کر لیں۔ میری نظر میں ان کی جانب سے اسلام کے خلاف عناد کے دو بنیادی سبب ہیں :-

۱۔ جہلِ مرکب (اسلام سے ناواقفیت اور اس پر دعوے کہ اسلام کو سمجھے ہیں تو بس وہی سمجھے ہیں)؛

۲۔ علمی بددیانتی کی انتہا (اسلامی موضوعات پر لکھتے ہوئے بڑی ہوشیاری کے ساتھ حقائق کو اس طرح سے توڑ مروڑ لینا کہ حقیقت یکسر نظر سے اوجھل ہو جائے)؛

یہی وجہ ہے کہ میں نے زیرِ نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ حصہ اوّل : جہلِ مرکب۔

۲۔ حصہ دوم : علمی بددیانتی کی انتہا۔

میں جانتا ہوں میرے بعض محسنین زیرِ نظر کتاب میں میرے "جذباتی اسلوب" پر چیں بہ جبیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے مجھے اس طرح سے لکھتے ہوئے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بعض دوستوں نے مسودہ کتاب دیکھ کر ہی مطالبہ شروع کر دیا ہے کہ میں خالص علمی، موضوعی، منطقی اور غیر جذباتی اسلوب اختیار کروں۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ مستقبل میں، جب میں ان شاء اللہ اسلام کے بارے میں بعض افتراءات کا علمی دفاع ایک مبسوط کتاب کی صورت میں لکھوں گا تو اپنا وہی علمی اسلوب اختیار کروں گا لیکن اس وقت میں معذرت چاہتا ہوں۔ اس قدر تکلیف دہ لغویات پڑھ چکا ہوں کہ کچھ عرصہ کے لیے ٹھنڈے دل سے سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ اپنے ان دوستوں سے جو دل میں ایمان کی شمع اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نور لئے ہوئے ہیں، درج ذیل عبارت پڑھنے کی استدعا کرتا ہوں۔ دل پر پتھر رکھ کر یہ گندگی نقل کرتا ہوں :-

"بڑی شخصیتوں میں سے کسی کو بھی اس قدر بدترین تہمتوں کا نشانہ نہیں بنایا گیا جس قدر محمدؐ کو۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ کے مسیحی علماء نے اس رنگ میں اس کی تصویر کشی کی کہ وہ دجّال ہے، شہوت پرست ہے اور ایک خولی انسان ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نام کی ایک بگاڑی ہوئی صورت "ماماوند" شیطان کی جگہ استعمال ہونے لگی۔ محمدؐ اور اس کے مذہب کی یہ تصویر کافی کچھ اثر و نفوذ رکھتی ہے۔"

(حوالہ : انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبعہ ۱۹۷۸، جلد نمبر ۱۲، صفحہ نمبر ۶۰۹)

یہ ایک زہریلے مستشرق کی طرف سے اپنے علماء کی ذہنیت کے بارے میں ایک کھلا اعتراف ہے

اسی ذہنیت سے جگہ جگہ سابقہ پیش آتا ہے ۔ اب یہاں پر میرے ناصحین طبع آزمائی فرمالیں اور اس قسم کی عبارتوں کے جواب میں ٹھنڈا، علمی، تحقیقی اور موضوعی اسلوب اختیار کر سکیں تو کر لیں

بات یہ ہے کہ ایسی ذہنیت اور اس قسم کی عبارتوں کا اصل جواب صفحاتِ قرطاس سیاہ کرنے سے نہیں دیا جا سکتا ۔ قلم کی روشنائی بھی راہ جہاد میں ایک سنگِ میل ہے لیکن صحابۂ کرام و تابعین کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اس راہ میں سیاہی سے کہیں زیادہ سرخی درکار ہے ۔ ایک عالم دین کی سیاہی کا قطرہ اور شہید کے خون کا قطرہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کو بہت عزیز ہیں لیکن ہر ایک کا اپنا محل ہے ۔ دنیا والے بھی عجیب عجیب رسمیں اختیار کر لیتے ہیں ۔ دلہن کے لیے سرخ لباس کو رواج بنا دیا ۔ گویا قبائے احمریں وصل کی ایک شرط قرار پا گئی ۔

الغرض کوشش تو یہی ہے کہ ناقدین اسلام کو علمی اسلوب سے مخاطب کیا جائے لیکن ہر بات کا علمی اور غیر جذباتی انداز میں جواب نہیں دیا جا سکتا ۔ اگر یہ لوگ ہماری غیرت و حمیت کا امتحان لیتے رہے تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ نتیجہ ان شاء اللہ ہمارے حق میں ہوگا ۔ کچھ بھی ہو اُمتِ مسلمہ کبھی بانجھ نہیں ہوئی اور نہ اب ہے ۔ ضرورت پڑی تو کوئی علم الدین شہید میدان میں نکل ہی آئے گا ۔

زیرِ نظر کتاب میں دو موضوع ایسے ہیں جن پر مجھے کافی محنت کرنا پڑی اور ان موضوعات کی اہمیت کے پیشِ نظر کافی تفصیل سے جواب لکھنا پڑا ۔ وہ دو موضوع یہ ہیں :-

۱ ۔ کیا احادیث نبویہ دوسری صدی ہجری سے پہلے بالکل نہیں لکھی گئیں ؟

۲ ۔ کیا اسلام میں کثرتِ ازدواج (ایک بیوی کے بیک وقت کئی شوہر ہونا) اور اختلاطِ انساب (promiscuous and polyandry) کی گنجائش ہے اور یہ دونوں باتیں عربوں اور مسلمانوں میں رائج ہیں ؟

میں یہاں کے بعض علماء جن میں زیادہ تر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اساتذہ ہیں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے زیرِ نظر کتاب کی تالیف کے سلسلہ میں اپنی قیمتی آراء سے میری مدد فرمائی ۔ چند ناموں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔

۱ ۔ جناب ڈاکٹر عبدالعزیز قاری صاحب ۔ پرنسپل قرآن کالج ۔

۲ ۔ فضیلۃ الشیخ محمد ناصر السبحانی صاحب ۔ رجسٹرار ۔

۳۔ جناب ڈاکٹر محمد محسن خان صاحب ۔ مترجم صحیح بخاری (انگریزی)
۴۔ فضیلۃ الشیخ اربق جابر رحیلی صاحب ۔ مدیر دفتر رئیس الجامعہ ۔
۵۔ جناب ڈاکٹر جمعہ خولی صاحب ۔ اسسٹنٹ پروفیسر
۶۔ فضیلۃ الشیخ عبد القادر حبیب اللہ سندھی صاحب ۔ لیکچرار
۷۔ فضیلۃ الشیخ محمد مجذوب صاحب ۔
۸۔ فضیلۃ الشیخ عبد الغفار حسن صاحب ۔
۹۔ فضیلۃ الشیخ محمد مرسی جرجہ ۔
۱۰۔ فضیلۃ الشیخ محمد اقبال سہیل ۔ شرق اوسط ۔ نوائے وقت ۔ مکہ مکرمہ ۔
۱۱۔ محترمہ سیدہ اصلاح سہیل ۔ پرنسپل گرلز کالج ۔ طائف ۔

میں اپنے فاضل دوست محمد کمال الیند کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کا انگریزی سے عربی میں ترجمہ کیا ۔ میں اپنے عزیز بچوں ، بیٹی صفیہ شاہین ، بیٹی میمونہ شاہین اور بیٹے محمد زید مرتضے کا بھی بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے میں مجھ سے اعانت کی ورنہ یہ کام مجھ اکیلے کے بس کا نہیں تھا ۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کی محنت قبول فرمائے اور اپنی رضا نصیب فرمائے ۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضے
مدینہ منورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الزامات اور غلط بیانیوں پر ایک سرسری نظر

اس کتاب میں ہم نے درج ذیل ان الزامات اور غلط بیانیوں پر بحث کی ہے جو انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا اور انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں درج ہیں :-

۱۔ حج اور احرام کے بارے میں

انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے مقالہ " اسلام " کا مصنف صفحہ ۹۱۹ جلد نمبر ۹ میں یوں رقمطراز ہے :-

" حج کی رسم ہر سال ۷ کو شروع ہوتی ہے اور دسویں ذی الحج کو (جو کہ مسلمانوں کا آخری مہینہ ہے) ختم ہو جاتی ہے ۔ جب حاجی شہر مقدس سے ۶ میل (دس کلومیٹر) کے فاصلے پر ہوتا ہے تو وہ احرام کی حالت میں داخل ہو جاتا ہے "

۲۔ روزوں سے رخصت

یہی مصنف اسی مقالے میں رمضان کے روزوں کے بارے میں یوں لکھتا ہے :-

" صاحب استطاعت لوگ روزے کی بجائے روزانہ ایک غریب آدمی کو کھانا بھی کھلا سکتے ہیں "

(صفحہ ۹۱۹ جلد انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۔ جلد ۹ ۔ ۱۹۸۸)

۳۔ کیا احادیث نبویہ دوسری صدی ہجری میں تحریر میں لائی گئیں ؟

احادیث نبوی کی کتابت کے بارے میں یہی مصنف اپنے اسی مقالے کے صفحہ ۹۲۱ ، ۹۲۲ میں یوں لکھتا ہے

"پس ابتدائی دور میں تعلیم کا انداز تقلیدی اور رسمی تھا چنانچہ احادیث نبویہ دوسری صدی ہجری میں تحریر میں لائی گئیں۔"

۴ ۔ کیا احادیث نبویہ تاریخی طور پر ناقابل اعتماد اور غیر اہم ہیں ؟

ایک اور عبارت جو اسی موضوع سے متعلق ہے وہ مقالہ محمد میں نظر آتی ہے صاحب مقالہ لکھتا ہے :۔

" احادیث کا رسمی مجموعہ یا وہ قصے کہانیاں جو آپ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال و افعال سے متعلق ہیں تاریخی طور پر ناقابل اعتماد ہیں ۔ شاید ہی ایسا ہو کہ ان میں محمد کی زندگی سے متعلق کوئی کام کی بات نظر آئے ۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸ء، جلد ۱۲ صفحہ ۶۰۹)

۵ ۔ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت گاہ آپ کی وفات کے بعد مسجد نبوی بن گئی ؟

مقالہ "محمد" کا مؤلف رقمطراز ہے :۔

" مسلمان اکثر محمد کے گھر میں اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جایا کرتے تھے جو بعد میں آپ کی وفات کے بعد مسجد نبوی بن گئی ۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸ء، جلد ۱۲ صفحہ ۶۰۳)

۶ ۔ کیا پردہ کی رسم حضور اکرم کے انتقال کے بعد عراق میں شروع ہوئی ؟

خواتین کے پردے کے بارے میں مصنف کی دریافت یہ ہے :۔

" اسلام ابتدائی طور پر مکہ اور مدینہ کے دو شہروں میں پروان چڑھا اور جونہی یہ پھیلنے لگا اس کی توسیع مہذب شہری علاقوں کی طرف ہونے لگی ۔ ثقافتی طور پر یہ عراق میں گہرے ایرانی اثر کے تحت آگیا جہاں پر عربوں نے اپنے مفتوحین سے زندگی گزارنے کے ڈھنگ سیکھے ۔ یہ مفتوحین تہذیبی طور پر ان سے بہت برتر تھے ۔ پردے کی رسم کو بھی لے لیجیے یہ ابتداء میں حلقہ امراء ARYSTOCRACY کی ایک خاص علامت تھا ۔ بعد میں اس سے یہ کام لیا گیا کہ مردوں سے عورتوں کو الگ کیا گیا ؛ پردہ کی رسم عراق میں اختیار کی گئی ۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۰ء، جلد ۹ صفحہ ۹۲۳)

۷۔ کیا اسلام ہندوؤں اور زرتشتیوں کو اہل کتاب شمار کرتا ہے؟
مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے:
"اسلام کا بنیادی عقیدہ اس کلمۂ شہادت میں بیان کیا گیا ہے جو مسلمان ایمان کا اعلان کرتے ہوئے پڑھتے ہیں:
"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں"۔
اس بنیادی عقیدے سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:
۱۔ فرشتوں پر ایمان، خصوصاً فرشتہ الہام جبریل پر۔
۲۔ قرآن کے علاوہ دیگر الہامی کتابوں پر ایمان؛
(اہل یہود، مسیحی، زرتشتی، ہندوؤں کی الہامی کتابیں)"
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۱۲)

۸۔ کیا اسلام کا تصور خدا یہودی و مسیحی روایات اور زمانۂ جاہلیت سے ماخوذ ہے؟
اہل مغرب کی ایک بہت بڑی مشکل یہ ہے کہ اپنی جہالت کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کے بارے میں بہت بڑے تعصب کا شکار ہیں جو کسی بھی علمی تحقیق کے دوران ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ درج ذیل عبارت سے یہ بات نمایاں ہے:
"خدا کا تصور جس میں طاقت، عقل اور رحم کے اوصاف ملے جلے نظر آتے ہیں یہودی وعیسائی روایت سے اور عربوں کے جاہلی تصورات سے مربوط ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کچھ ترمیم واضافہ کے ساتھ انہیں سے اخذ کیا گیا ہے۔"
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء، جلد ۹، صفحہ ۹۱۳)

۹۔ کیا رسول اکرمؐ کے پاس سوائے قرآن کریم کے اور کوئی معجزہ نہ تھا؟
مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے:
"آپ کے پاس سوائے قرآن کریم کے جس کی نظیر پیش کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور کوئی معجزہ نہ تھا۔ نبی کی وفات کے بعد مسلمانوں نے معجزات کا ایک طومار آپ کی طرف منسوب کر دیا۔"
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء، جلد ۹، صفحہ ۹۱۲)

انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں مقالہ "محمد" کا مؤلف اس سے بھی زیادہ غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتا ہے۔ اس موضوع پر وہ یوں رقمطراز ہے :-

"نہ آپ کے پاس کوئی اور معجزات تھے اور نہ آپ نے ان کا دعویٰ کیا۔"

(انسائیکلوپیڈیا امریکانا طبع ۱۹۵۸ء، جلد ۱۹، صفحہ ۲۹۳)

۱۰۔ <u>اسلامی اسطورہ اور خرافات</u>

کیا رسول اکرمﷺ کے معجزات محض فرضی ہیں ؟

اسی موضوع پر ایک اور مقالہ "اسلامی اسطورہ اور خرافات" نظر سے گزرا، جس کا مصنف لکھتا ہے :-

<u>مذہبی شخصیات سے متعلق افسانے اور قصے</u> :-

زیادہ تر فرضی قصے اسلام کی ابھرتی ہوئی شخصیات کے بارے میں مشہور ہوئے ہیں۔

محمد :- "محمد جس کا ایک ہی معجزہ تھا اور وہ ان کے اپنے الفاظ کے مطابق قرآن مجید کا نزول تھا۔ لیکن ان کی ذات کی طرف بے شمار معجزات اور بہت سی خوارق عادت باتیں منسوب کر دی گئیں۔

ان کی انگلی کے اشارے سے چاند ٹوٹ گیا۔ پکے ہوئے زہریلے گوشت نے ان سے ہمکلامی کی اور کہا کہ اسے نہ کھایا جائے۔ کھجور کا تنا ان کے فراق میں رویا۔ بیرل نے ان سے بات کی۔ ان کا سایہ نہ تھا۔ ان کے پسینے سے گلاب پیدا ہوا وغیرہ وغیرہ۔ آسمان کی طرف ان کے معراج کو اب بھی بطور معجزہ منایا جاتا ہے۔ وہ پروں والے گھوڑے پر جسے براق کہا جاتا ہے، سوار ہوئے اور جبریل کی معیت میں سات آسمانوں سے گزرتے ہوئے تمام انبیا سے ملتے ہوئے اللہ کے حضور جا پہنچے اور بالکل تنہا پہنچے۔ حتٰی کہ فرشتہ امام جبریل بھی ساتھ نہ جا سکا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۵۵ء، جلد ۹، صفحہ ۵۰)

۱۱۔ حضرت محمد اور حضرت آدم علیہما السلام دونوں کے بارے میں دو بیہودہ تصاویر۔

انہیں سطور کے مابین ایک تصویر نظر آتی ہے جس میں حضور اکرم کو براق پر سوار آسمان کی طرف جاتے دکھایا گیا ہے۔ جبریل بھی ان کی معیت میں ہیں تصویر کو مزید ہیں۔ وہ افسانوی ثابت ہے

کیلیے جوروں کو ساتھ دکھایا گیا ہے جو اونٹوں پر سوار ہیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۵۰)

اسی صفحے پر ایک اور بیہودہ تصویر بنائی گئی ہے جس میں فرشتے سب کے سب عریاں آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور شیطان سجدے سے انکار کر رہا ہے۔ شیطان کو ایک معرب عالم کی شکل میں مستقل پر بحالت نماز دکھایا گیا ہے۔

۱۲۔ کیا جہاد کے تصور میں بعد کے زمانے میں کچھ ترمیم کی گئی؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے:-

"اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد اُمت کے رہنماؤں نے جہاد کے تصور میں ترمیم کر دی۔ اب ان کا مسئلہ سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے اور اس کی تدبیر و تنظیم کا تھا۔ چنانچہ اب انہوں نے اسے ترسیعی مفہوم دینے کی بجائے اسے دفاعی مفہوم عطا کر دیا۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۱۴)

۱۳۔ اسلام کی مختلف صورتیں، فرقہ بندیاں اور اختلافات

مقالہ "اسلام" کے مصنف نے اپنی ژولیدہ فکری کا سب سے زیادہ اظہار اس مقام پر کیا ہے یہاں اس نے اشکالِ اسلام، فرقہ بندی اور اختلافات کے نام سے ایک طویل عبارت لکھی ہے۔ اس نے خارجیہ، معتزلہ، سبعیہ، اسماعیلیہ، نصیریہ، نزاریہ، یزیدیہ، دروزیہ اور احمدیہ جیسے تمام گمراہ فرقوں کو اسلام کی اشکال میں شامل کر دیا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۱۲)

۱۴۔ کیا سات امام درجے میں نبیؐ سے بلند تر ہیں؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف اشکالِ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اثنا عشریہ کے بارے میں یوں لکھتا ہے:

"نبی ﷺ کے بعد سات امام آئے ہیں جو اللہ کے ارادہ کی ترجمانی کرتے ہیں اور ایک لحاظ سے نبی سے بلند تر درجہ کے حامل ہیں کیونکہ وہ سیدھے اور براہ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتے ہیں۔ فرشتہ الہام کے ذریعہ سے نہیں۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۹ صفحہ ۹۱۷)

۱۵۔ مصنف کا مسلمانوں کے سوادِ اعظم اہل السنت والجماعت کے خلاف خاص بغض۔

ایک طرف مصنف کے دل میں غیر اسلامی تحریکوں کے لیے نرم گوشہ ہے تو دوسری طرف یہی مصنف مسلمانوں کے سوادِ اعظم یا عامۃ المسلمین (اہلِ سنۃ) کے خلاف ایک خاص بغض رکھتا ہے۔

اسی مقالہ "اسلام" میں صفحہ ۹۱۲ پر لکھتا ہے :-

"جس طرح سے قرآن نے دیگر قوموں کے مقابلہ میں امتِ مسلمہ کا تصور اجاگر کیا، اہلِ سنۃ نے اسی طرح سے اکثریت یا عامۃ المسلمین کے تصورات اور رسوم کو دیگر فرقوں کے مقابلہ میں اہمیت دی۔ کثرت سے ایسی احادیث نبی کی طرف منسوب کر دی گئیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ مسلمانوں کو اکثریت کے طریقے کی پیروی کرنا چاہیئے اور اقلیت کے سارے گروپ جہنم کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دستِ حفاظت ہمیشہ اکثریت کے طبقے پر ہے جو کبھی بھی غلطی نہیں کھا سکتا۔ اس نئی حدیث کی روشنی میں وہ طبقہ جسے قرآن مجید میں ایک خاص مشن کی تربیت دی تھی اور جسے ایک چیلنج قبول کرنے پر تیار کیا تھا، اب وہی طبقہ ایک مخصوص مراعات کا حامل طبقہ قرار دیا گیا جس کے بارے میں یہ طے پایا کہ اس سے خطا کا صدور غیر ممکن ہے۔"

۱۶۔ کیا فری میسن تحریک اسلام کی ایک شاخ ہے ؟

مصنف بیچارا اسلام دشمنی میں اس حد تک اندھے پن کا شکار ہو گیا ہے کہ اس نے فری میسن تحریک کو اسلام کے قریب لانے کی کوشش کی ہے جس کے لیے اسے دو قدم اٹھانے پڑے :-

۱۔ اس نے دروزی تحریک کو یعنی دروزیوں کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کیا۔

۲۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ فری میسن تحریک دروزیوں سے متاثر ہوئی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے :-

"دروزی فرقہ گیارھویں صدی میں آٹھویں فاطمی خلیفہ الحاکم کے دور میں خلیفہ کی الوہیت کا قائل بن کر نمودار ہوا۔ بعض اہلِ علم کا یقین ہے کہ فری میسن تحریک اپنے ابتدائی مرحلوں میں دروزی رسومات سے متاثر ہوئی۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۰ء۔ جلد ۹، صفحہ ۹۱۷)

۱۷۔ عدل اور کثرتِ ازدواج

کیا قرآن کریم کی رو سے عدل ناممکنات میں سے ہے ؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے :۔

"قرآن اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ تم کبھی بھی عورتوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے خواہ تم کتنا ہی انصاف کرنا چاہو"۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۲۰

۱۸۔ کیا رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی یا فرار ہو گئے"؟

مقالہ "اسلام" میں یہی مصنف لکھتا ہے :۔

"۶۲۲ء میں نبیؐ مدینہ کو فرار ہو گئے"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۱۲)

۱۹۔ کیا رسول اکرمؐ اور اہل ایمان کو مکہ مکرمہ میں کوئی ایذا نہیں دی گئی؟
کیا مسلمانوں کی ہجرت حبشہ صرف مالی اور عسکری اسباب کے تحت تھی؟

مقالہ "محمدؐ" کا مصنف لکھتا ہے :۔

"یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں کس حد تک تکلیف پہنچائی گئی۔ جسمانی تکلیف تو نہ ہونے کے برابر تھی اور اگر تھی بھی تو خاندان کے اندر اندر۔ محمدؐ کو بہت معمولی قسم کی تکالیف پہنچائی گئیں مثلاً یہ کہ گھر کے دروازے کے باہر کوڑا کرکٹ پھینکا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ مسلمان ایذا سے تنگ آکر ہجرت حبشہ کو مجبور ہو گئے۔ حالانکہ قرین قیاس ہے کہ وہ محمدؐ کی خاطر فوجی امداد اور تجارت کے مواقع تلاش کرنے کے لیے نکلے تھے"۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۲ صفحہ ۶۰۲

۲۰۔ کیا اسلام ایک عورت سے بیک وقت کئی مردوں کی شادی اور اختلاط انساب کی طرف لے جاتا ہے؟

مقالہ "محمدؐ" کا مصنف لکھتا ہے :۔

"محمدؐ کی ازدواجی معاشرت کا پس منظر یہ تھا کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ لوگ اپنا سلسلہ نسب عورتوں کی طرف رکھتے تھے۔ مردوں کی طرف نہیں۔ (یعنی ایسا نظام جس میں خاندان، نسب عزت اور ورثہ عورت کی جانب منسوب کیا جاتا ہے) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے اور ایک ایسا نظام نکل آیا جس میں ایک عورت کو بیک وقت کئی خاوند

رکھنے کی اجازت تھی اور یہ بات بعض وقت اختلاطِ انساب تک پہنچ گئی۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء، جلد ۱۲، صفحہ ۲۰۹

۲۱۔ عیسائی علماء کے بارے میں مصنف کا ایک غیر ارادی اعتراف جرم۔

مقالہ "محمد" کا مصنف لکھتا ہے :۔

"بڑی شخصیتوں میں سے کسی کو بھی اس قدر بدترین تہمتوں کا نشانہ نہیں بنایا گیا جس قدر محمد کو۔ قرونِ وسطٰے کے عیسائی علماء نے اس رنگ میں تصویر کشی کی کہ وہ دجال ہے۔ شہوت پرست ہے اور ایک خونی انسان ہے۔ حد یہ کہ اس کے نام کی ایک بگاڑی ہوئی صورت ماھاؤنڈ شیطان کی جگہ استعمال ہونے لگی۔ محمد اور اس کے مذہب کی یہ تصویر کافی گہرا اثر و نفوذ رکھتی ہے۔"

(حوالہ: انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء، جلد ۱۲، صفحہ ۲۰۹)

جہلِ مرکب

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کی جلد ۹ اور جلد ۱۲ میں شائع شدہ ہر دو مقالات "اسلام" اور "محمد" کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مؤلفین اسلام کی مبادیات سے بھی واقف نہیں ــــ ان کی چند عبارتیں اس بات کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہیں :-

۱ - حج اور احرام کے بارے میں

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مقالہ "اسلام" کا مصنف صفحہ ۹۱۹ جلد ۹ میں یوں رقمطراز ہے :-

"حج کی رسم ہر سال ۷ ذی الحجہ کو شروع ہوتی اور دسویں ذی الحجہ کو (جو کہ مسلمانوں کا آخری مہینہ ہے) ختم ہو جاتی ہے۔ جب حاجی شہر مقدس سے ۶ میل (دس کلو میٹر) کے فاصلے پر ہوتا ہے تو وہ احرام کی حالت میں داخل ہو جاتا ہے"۔

ہر وہ شخص جو اسلام کے بارے میں معمولی واقفیت بھی رکھتا ہو یا جس نے کبھی حج کیا ہو یہ بات اچھی طرح سے جانتا ہے کہ درج ذیل دونوں باتیں بغیر کسی شک اور اختلاف رائے کے حقائق ثابتہ کی شکل میں موجود ہیں :-

۱۔ حج ہر سال ۸ ذی الحجہ کو شروع ہوتا ہے اور ۱۲ یا ۱۳ ذی الحجہ کو ختم ہوتا ہے، نہ یہ کہ جیسا مصنف نے کہا کہ ۷ ذی الحجہ کو شروع ہو کر ۱۰ ذی الحجہ کو ختم ہو جائے۔

۲۔ اس بات کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ مکہ مکرمہ سے ۶ میل کے فاصلے پر احرام کی حالت اختیار کی جائے۔ احرام تو داخل مکہ بھی باندھا جا سکتا ہے اور وہ لوگ جو مکہ کے باہر سے آرہے ہیں

ان کے لیے یہ جانب احرام باندھنے کی ایک مقررہ جگہ (میقات) متعین کر دی گئی ہے اور یہ جگہ خود حضور اکرمؐ نے مقرر فرمائی۔ مثال کے طور پر جنوب کی جانب سے آنے والے حجاج مکہ سے تقریباً ۵۰۰ کلومیٹر پہلے یلملم کے مقام پر حالت احرام میں داخل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ روزوں سے رخصت

یہی مصنف اسی مقالے میں رمضان کے روزوں کے بارے میں یوں رقمطراز ہے:

"صاحب استطاعت لوگ روزے کی بجائے روزانہ ایک غریب آدمی کو کھانا بھی کھلا سکتے ہیں"۔ (صفحہ ۹۱۹ مجلد انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۹)

خوب کہی! دنیا کا کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کسی بھی فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتا ہو یہ بات سن کر ورطۂ حیرت میں پڑ جائے گا۔ ہمارا مؤلف اسلام کے صحیح احکام اور اس کی ارتقائی منازل سے یکسر ناواقف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عبادت کے تمام احکام تدریجی صورت میں نازل فرمائے۔ یہی حال روزے کا بھی ہے۔ اب آئیے مؤلف محترم کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے احکام صیام کی اس تدریج کا مطالعہ کریں جسے اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے صادر کرنے میں اختیار فرمایا:

پہلا مرحلہ:-

پہلے مرحلے میں روزے اس وقت ضروری قرار دیے گئے جب جہاد کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور یہ ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ اب چونکہ روزے کا عمل ابتدا میں ایک سخت کام نظر آتا تھا تو یہ لازمی فریضہ قرار نہ دیا گیا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص روزہ نہ رکھنا چاہے تو اسے یہ آزادی تھی کہ وہ روزے کی بجائے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔

دوسرا مرحلہ:-

دوسرے مرحلے میں لوگوں کو اس بات کی ترغیب دی گئی کہ وہ اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھائیں بلکہ مشقت برداشت کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ صحت مند ہوں اور سفر کی حالت میں نہ ہوں تو روزے ہی رکھیں۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرۃ: ۱۸۴)

ترجمہ "اور اگر تم روزے رکھو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اے کاش تم جانتے۔"

اصل بات یہ ہے کہ دوسرے مرحلے میں رمضان شریف کے روزوں سے متعلق رعایت کو کہ اگر کوئی چاہے تو روزے کے بجائے روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، واپس لینے کے لیے میدان ہموار کیا جا رہا تھا چنانچہ وہ لوگ جو کہ نہ بیمار تھے، نہ سفر میں تھے اور نہ اس قدر بوڑھے تھے کہ بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے روزہ رکھنے کے قابل نہ ہوں انہیں اس بات پر اخلاقاً مجبور کر دیا گیا کہ وہ روزے رکھیں۔ دوسرے مرحلے میں لوگوں نے عملاً اس رعایت سے فائدہ اٹھانا ترک کر دیا۔

تیسرا مرحلہ :-

تیسرے مرحلے میں آخری احکام صادر کر دیئے گئے۔ یہ رعایت کہ روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو روزانہ کھانا کھلایا جا سکتا ہے بالکل واپس لے لی گئی۔ ہر اس شخص پر روزہ فرض قرار دے دیا گیا جو کہ نہ تو شیخ فانی ہے، نہ بیمار ہے اور نہ مسافر۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیت کی صورت میں قطعی احکام صادر کر دیئے گئے

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ (البقرہ ۱۸۵)

ترجمہ "جو شخص بھی یہ مہینہ پائے اس پر لازم ہے کہ روزے رکھے اور جو شخص سفر یا بیماری میں ہو تو اسے چاہیئے کہ اتنے ہی روزے بعد میں رکھے۔"

القصہ آخری مرحلے میں یہ احکام صادر کیے گئے کہ ہر وہ شخص جو بالغ، عاقل، تندرست اور مقیم ہو اس پر لازم ہے کہ رمضان کے روزے رکھے۔ ہاں وہ شخص جو بیمار ہو یا سفر درپیش ہو، خواتین جو حائض ہوں یا نفاس کی حالت میں ہوں (۴۰ دن) انہیں چاہیئے کہ روزوں کی یہ مدت دیگر ایام میں رمضان کے بعد پوری کر لیں۔ رہ گئے وہ بوڑھے حضرات جو موت کے انتظار میں ہیں اور اس قدر ضعیف ہیں کہ روزے نہیں رکھ سکتے یا وہ لوگ جو کہ اس قدر بیمار ہیں کہ جن کا علاج ممکن نہیں ہے تو ان کے لیے یہ رعایت باقی ہے کہ روزے کے بدلے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ افسوس کہ مقالہ "اسلام" کے مؤلف نے اس تدریج کا بالکل خیال نہیں رکھا اور یہ رعایت تمام لوگوں کے لیے صحیح قرار دے دی خواہ وہ بوڑھے ہوں یا جوان، تندرست ہوں یا بیمار، مسافر ہوں یا مقیم۔

اس سے مؤلف کی اسلامی احکام اور اس کی تدریج کے بارے میں واقفیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۳)

کتابتِ احادیثِ نبویہ

کیا احادیثِ نبوی دوسری صدی ہجری میں حیطۂ تحریر میں لائی گئیں؟

احادیثِ نبوی کی کتابت کے بارے میں یہی مصنف اپنے اسی مقالے کے صفحہ ۹۲۱ ۔ ۹۲۲ میں رقمطراز ہے :

"پس ابتدائی دور میں تعلیم کا انداز تقلیدی اور رسمی تھا چنانچہ احادیثِ نبویہ دوسری صدی ہجری میں لکھی گئیں"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۰۸ء مجلد ۹ صفحہ ۹۰۱ ۔ ۹۰۰)

یہ ان چند انتہائی غیر ذمہ دارانہ باتوں میں سے ہے جو اکثر مستشرقین کی زبان سے برآمد ہوتی ہیں اور افسوس کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی بعض "مستشرقین" ایسے ہیں جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ بات بالکل غلط ہے کہ احادیث دوسری صدی ہجری میں حیطۂ تحریر میں لائی گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فنِ کتابت کو سیکھنے کی ترغیب بھی فرمائی اور حوصلہ افزائی بھی۔ کوئی شخص یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی مرحلے پر فنِ کتابت کو بحیثیت فن کے نظر انداز کیا ہو۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے قیدیوں کو اس شرط پر رہا کرنے کی اجازت عطا فرما دی وہ مسلمانوں میں سے دس افراد کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم اسلامی تاریخ کا احتیاط سے مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ احادیثِ نبویہ کا بہت بڑا خزانہ کافی ترتیب کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی تحریر کیا جا چکا تھا۔ وہ احادیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں لکھی گئیں انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :-

۱۔ وہ احادیث جن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود املا فرمائی یا اُن کے لکھنے کا حکم فرمایا۔

۲۔ وہ احادیث جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے سامنے لکھی گئیں۔
۳۔ وہ احادیث جنہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور بعد میں کسی وقت تسلی کے ساتھ بیٹھ کر لکھا۔

قسم اول

اب ہم اُن اہم وثائق اور صحائف کا ذکر کریں گے جنہیں احادیث کی شکل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو خود املا فرمایا یا ان کی کتابت کا حکم صادر فرمایا۔

۱۔ صحیفہ ابی شاہ۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرمایا، آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ ابوشاہ یمن کا ایک صحابی اس موقع پر کھڑا ہوا اور اس نے التجا کی کہ اسے یہ خطبہ تحریری شکل میں عطا فرما دیا جائے۔ اس وقت آپ نے یہ حکم صادر فرمایا۔

"اکتبوا لابی شاہ"

(بخاری، لقطہ ۲۴۳۴، ۲۸۸۰، مسلم، حج ۳۲۰، احمد بن حنبل ۲ : ۲۳۸)

ترجمہ :۔ "ابوشاہ کے لیے اسے تحریر میں لے آؤ"

صحیفہ عمرو بن حزم :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم کو نجران کا گورنر بنا کے بھیجا اور اس کے لیے ایک وثیقہ تحریر کروایا جس میں طہارت، نماز، مال غنیمت، صدقات، محصولات، جروح اور انکے بدلوں سے متعلق واضح ہدایات موجود تھیں۔

(استیعاب : ۱۹۰۲، اصابہ : ۵۸۱۰)

عطا بن ابی رباح نے بعد کے کسی مرحلے میں اس کتاب کا مطالعہ کیا۔

(رامہرمزی ۱/۵۸)

اس صحیفے کی نقول خلیفہ ابوبکر اور عمرو بن حزم کے قبیلے کے چند دیگر اشخاص کے پاس موجود تھیں

(دارقطنی، زکوۃ، صحیفہ : ۲۰۹)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسلامی قوانین، خاص طور سے صدقات کو، اسلامی شریعت

کی روشنی میں نافذ کرتے ہوئے اس صحیفہ سے کافی فائدہ اٹھایا۔

(دارقطنی، صفحہ ۴۵۱)

یہ صحیفہ ابھی تک دمشق کی لائبریری " المجمع العلمی " میں اپنی اصلی صورت میں موجود ہے۔

۳ ۔ وثیقہ جہینہ :۔

یہ وثیقہ احادیث کے ایک مجموعہ پر مشتمل ہے جس میں کچھ احکام شریعت ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا فرمائے اور قبیلہ جہینہ کی طرف بھیجے، جیسا کہ مسند جہ ذیل حدیث صحیح سے ثابت ہے

حدثنا عبد الله حدثنی أبی ثنا وکیع وابن جعفر قالا ثنا شعبة عن الحکم عن عبد الرحمن بن ابی لیلی . قال ابن جعفر سمعت عن ابی لیلی عن عبد الله بن عکیم الجهنی قال أتانا کتاب النبی صلی الله علیه وسلم ونحن بارض جهینة وأنا غلام شاب ان لا تستنفعوا من المیتة باهاب ولا عصب

(رواه احمد ۴/۳۱۰ باسناد صحیح ورواه الترمذی وکتاب اللباس رقم ۷ وأیضا رواه ابوداؤد وکتاب اللباس رقم ۳۸ ، ۳۹ وابن ماجة کتاب اللباس رقم ۲۶ باسناد صحیح)

ترجمہ :۔ عبد اللہ بن عکیم جہنی سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک تحریری عبارت موصول ہوئی اور ہم اس وقت جہینہ کی سرزمین میں تھے۔ میں اس وقت نوجوان لڑکا تھا۔ اس عبارت میں یہ لکھا ہوا تھا کہ مردہ جانوروں کی کھالوں کو استعمال نہیں کرنا چاہئیے جب تک کہ انہیں اچھی طرح پاک وصاف نہ کرلیا جائے۔

۴ ۔ صحیفہ وائل بن حجر

وائل حضرموت کے شہزادوں میں سے تھے۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا اور حضورؐ سے ملے۔ انہیں الوداع کہتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وثیقے کو املا کرایا۔ اس وثیقہ میں بہت سی ہدایات اور احکام تھے جو نماز، روزہ، حرمت شراب اور حرمت

سود وغیرہ سے متعلق تھے ۔ اس میں ابن حجر کا قول ہے ۔

"قال ابونعیم اصعده ، وائل بن حجر ، النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر واقطعه وکتب له عهدا وقال هذا وائل سید الاقیال .... الخ

(الاصابة ۳/ ۶۲۹ باسناد صحیح)

ترجمہ ۔ (ابن حجر عسقلانی الاصابہ میں یہ حدیث لائے ہیں)

"ابو نعیم کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر کو منبر پر بٹھایا اور اسے زمین کا ایک ٹکڑا عنایت کیا اور اس کے لیے ایک عہد" صحیفہ " لکھا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ ہے وائل اقیال کے قبیلوں کا سردار ۔"

۵ ۔ صحیفہ اہل یمن

یہ صحیفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے لوگوں کی طرف بھیجا ۔ اس میں شادی، طلاق اور غلاموں کی آزادی وغیرہ سے متعلق اہم احکامات تھے ۔ مندرجہ ذیل حدیث میں اس صحیفے کے وجود کا قطعی ثبوت ہے

اخبرنا الحکم بن موسی ثنا یحیی بن حمزه عن سلیمان بن داود حدثنی الزهری عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه عن جده قال الحکم قال لی ، یحیی بن حمزه أفصل : ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کتب الی اهل الیمن الا یمس القرآن الا طاهر ، ولا طلاق قبل املاك ، ولا عتاق حتی یبتاع سئل ابو محمد عن سلیمان فقال : منتخب کتاب عمر بن عبد العزیز (رواه الدارمی ۲ / ۹۴ وصححه ابن فی التلخیص الحبیر)

ترجمہ ۔ کہتے ہیں کہ مجھ سے یحییٰ بن حمزہ نے کہا کہ میں یہ بات وضاحت سے بیان کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے ایک صحیفہ لکھ کر بھیجا جس میں درج تھا کہ کوئی شخص قرآن مجید کو نہ چھوئے جب تک کہ وہ پاک نہ ہو اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں ۔ اور اس وقت

تک خادم کو آزاد نہیں کیا جاتا جب تک کہ صحیح بہچ نہ ہو۔ ابو محمد نے سلیمان سے پوچھا کہ تم نے یہ وثیقہ کہاں سے حاصل کیا۔ اس نے جواب دیا: عمر بن عبدالعزیز کی کتاب سے۔

۶۔ کتاب الصدقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گورنروں کو یہ کتاب بھیجنے کے لیے مرتب فرمائی۔ اس میں زکوٰۃ وغیرہ سے متعلق احکامات درج تھے۔

کتاب الصدقہ کا وجود مندرجہ ذیل حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے۔

(حدثنا عبد الله بن محمد النفيلی۔ ثنا عباد بن العوام، عن سفيان ابن حسين عن الزهری عن سالم عن ابيه، قال: كتب رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب الصدقة فلم يخرجه الى عماله حتى قبض۔ فقرنه بسيفه، فعمل به ابوبكر حتى قبض ثم عمل به عمر حتى قبض")

اخرجه ابوداؤد فی سننه تحت رقم ۱۵۶۸، والدارمی فی سننه تحت رقم ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، وابن حبان فی الصحيح برقم ۷۹۳ (موارد الظمآن الى زوائد ابن حبان للحافظ ابی بكر الهيثمی)

وصححه الحافظ ابن حجر فی التلخيص الحبير ص ۱۵۱ المجلد الثانی بعد ما ذكر تخريجه واورده الحافظ ابن حجر فی الاصابة ترجمة عمرو بن حزم)

ترجمہ۔ عباد بن عوام روایت کرتے ہیں سفیان بن حسین سے وہ زہری سے، وہ سالم سے اور وہ اپنے والد سے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھی لیکن اپنے گورنروں کو نہ بھیج سکے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ آپ نے یہ کتاب اپنی تلوار کے ساتھ رکھ چھوڑی۔ اس کتاب پر سیدنا ابوبکرؓ عمل کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا پھر اس کے مطابق اسی پر سیدنا عمرؓ عمل کرتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی وفات پا گئے۔

امام نافع سے یہ حدیث صحیح اسی بارے میں نقل کی جاتی ہے۔

ونقل ابراهيم الصائغ : (عن نافع أن ابن عمر كانت له كتب ينظر فيها ، يعني في العلم) (التاريخ الكبير للبخاری ۱/۳۲۵)

ترجمہ: نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس کتابیں تھیں اور وہ ان کا مطالعہ کرتے تھے یعنی ان کے پاس احادیث کی کتابیں موجود تھیں جیسے اس زمانے میں "العلم" کہا جاتا تھا۔

کتاب صدقہ کا ایک نسخہ سیدنا عمر بن خطاب کے پاس بھی موجود تھا اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب صدقہ کا یا جزو تھا یا وہی کاپی نسخہ تھا۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل حدیث ایک واضح دلیل ہے

قال الليث : واخبرني نافع انه عرضها على عبد الله بن عمر مرات . (الاموال ۲۹۲ زنجويه ، الاموال ۳٤)

ترجمہ: "لیث کہتے ہیں کہ مجھے نافع نے بتلایا کہ انہوں نے یہ نسخہ کئی مرتبہ عبد اللہ بن عمرؓ کے سامنے پیش کیا"۔

رسائل اور وثائق

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تقریباً دو سو کے قریب رسائل اور وثائق مرتب کیے ہیں جو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں، مختلف قبیلوں کے سرداروں اور اہم شخصیتوں کو بھیجے۔ وہ خطوط جو آپ نے مقوقس شاہ مصر، نجاشی شاہ حبشہ اور منذر شاہ بحرین کو لکھے وہ آج بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تحریریں اور وثائق عام لوگوں کو بھی عطا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث صحیح کی عبارت سے واضح ہے:

حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا يعقوب ثنا ابي عن ابن ابي اسحاق ثنا سالم بن ابي امية ابو النضر قال : جلس الى شيخ من بني تميم في مسجد البصرة ومعه صحيفة له في يده قال وفي زمان الحجاج فقال لي يا عبد الله اترى هذا الكتاب مغنيا ، عني شيئا عند هذا السلطان قال

فقلت وما هذا الكتاب؟ قال هذا الكتاب من رسول
الله عليه وسلم كتبه لنا لا يتعدى علينا في صدقاتنا .
قال فقلت لا والله ما أظن ان يغني عنك شيئا وكيف
كان شأن هذا الكتاب قال قدمت المدينة مع أبي وأنا
غلام شاب بإبل لنا نبيعها وكان أبي صديقا لطلحة
بن عبيد الله التميمي فنزلنا عليه فقال له أبي اخرج
معي فبع لي إبلي هذه قال فقال ان رسول الله صلى الله عليه
وسلم قد نهى ان يبيع حاضر لباد ولكن سأخرج معك
فاجلس وتعرض إبلك فما ذا رضيت من رجل وفاء وصدقا
ممن ساومك امرتك ببيعه قال فخرجنا الى السوق
فوقفنا ظهرنا وجلس طلحة قريبا منا وساومنا الرجال
اذا أعطانا رجل ما نرضى قال له أبي ابايعه قال نعم؛
رضيت لكم وفاءه فبايعوه فبايعناه فلما قبضنا مالنا و
فرغنا من حاجتنا قال أبي لطلحة خذ لنا من رسول الله صلى
الله عليه وسلم كتابا ان لا يتعدى علينا في صدقاتنا قال
فقال هذا لكم ولكل مسلم قال على ذلك اني أحب أن يكون
من رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب فخرج حتى جاء بنا
الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله إن هذا الرجل
من اهل البادية صديق لنا وقد أحب أن تكتب له كتابا لا
يتعدى عليه في صدقته فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم
هذا له ولكل مسلم قال يا رسول الله اني قد أحب أن يكون
عندي منك كتاب على ذلك قال فكتب لنا رسول الله صلى الله
عليه وسلم هذا الكتاب آخر، حديث طلحة بن عبيد الله رضي

اللہ عنہ (مسند الزبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(اخرجہ احمد فی مسندہ باسناد صحیح ۱۱/۱۶۳ - ۱۶۴)

ترجمہ : ابو امیہ ، ابو النضر روایت کرتے ہیں کہ بصرہ کی جامع مسجد میں بنی تمیم کا ایک بوڑھا شخص میرے ساتھ آکر بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا اور یہ حجاج بن یوسف کا زمانہ تھا ۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے عبد اللہ تمہاری کیا رائے ہے ۔ کیا یہ کتاب اس بادشاہ کے ظلم سے مجھے بچا سکے گی ؟ میں نے کہا یہ کتاب کیا ہے ۔ اس نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عطا کردہ کتاب ہے جو آپ نے ہمارے لیے لکھی اور آپ نے اس میں یہ ارشاد فرمایا کہ صدقات کے معاملے میں ہم پر ظلم نہ کیا جائے ۔ میں نے کہا کہ نہیں بھی میرا خیال یہی ہے کہ یہ کتاب اس شخص کے ظلم سے تمہیں بچا سکے گی ۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کتاب کا معاملہ کیا ہے ۔ تمہیں کیسے حاصل ہوئی ۔ اس نے جواب دیا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوا ۔ میں اس وقت نوجوان لڑکا تھا ۔ ہمارے پاس کچھ اونٹ تھے ہم انہیں بیچنا چاہتے تھے ۔ میرے والد طلحہ بن عبد اللہ تیمی کا دوست تھا ہم اس کے ہاں ٹھہرے تو میرے والد نے اس سے کہا کہ بھئی ہمارے ساتھ ذرا باہر چلو اور ہمارے اونٹ بکوا دو ۔ میرے والد کہتے ہیں کہ طلحہ نے ہمیں یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہر کا آدمی دیہات کے آدمی کے لیے کوئی چیز فروخت کرے ۔ لیکن ۔ بہر حال میں تمہارے ساتھ نکلوں گا اور میں کچھ فاصلے پہ بیٹھا رہوں گا اور جس شخص سے تم معاملہ کرو گے اگر میں اس کی وفا اور صدق سے مطمئن ہوا تو میں تمہیں اشارہ کر دوں گا تم اس کے پاس یہ مال بیچ دینا ۔ چنانچہ ہم بازار کو گئے ۔ جب بازار پہنچے تو طلحہ ہم سے قریب کہیں بیٹھ گئے ۔ ہم نے لوگوں سے سودا بازی شروع کی یہاں تک کہ ہمارے پاس ایک ایسا شخص آیا جس کے سودے سے ہم کچھ مطمئن تھے تو میرے والد نے حضرت طلحہ سے پوچھا کہ میں اس سے سودا کر لوں ۔ انھوں نے کہا ہاں چنانچہ ہم نے سودا کر لیا اور جب ہم اپنا مال وغیرہ لے کر چلے اور اپنے معاملات سے فارغ ہو گئے تو ہمارے والد نے طلحہ سے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو

الصحیفة رجلا عن یسار"

(مسند احمد ۳/ ۴۴۱ و ایضا ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۱/ ۴۱۸ و صححه ابن کثیر فی البدایة والنهایة ۵/ ۱۰-۱۲)

ترجمہ: "تنوخی! میں نے ایک خط ایران کے بادشاہ کو لکھا اس نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرے گا اور اس کی بادشاہت کو بھی۔"

ایسے ہی میں نے ایک خط تمہارے صاحب کو بھی لکھا اس نے یہ خط اپنے پاس سنبھال کر رکھ لیا۔ تو جب تک اس کے ہاں زندگی میں خیر کا عنصر باقی رہے گا، لوگ اس کے رعب تلے رہیں گے۔ تنوخی کا بیان ہے کہ میں نے ایک تیر نکالا اور ان سب باتوں کو اپنی تلوار کے چمڑے پر لکھ لیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صحیفہ اپنی بائیں جانب ایک شخص کو عطا فرمایا، تاکہ وہ شخص آپ کو پڑھ کے سنائے۔"

۸۔ ریاستِ مدینہ کا دستور

یثرب تشریف لانے کے کچھ ہی عرصہ بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس، خزرج اور یہود کے قبائل کے ساتھ ایک عہد نامہ پر دستخط فرمائے اور ایک نئی مملکت کی بنیاد رکھی اور اس کا ایک تحریری کل میں دستور مرتب فرمایا جس میں ۵۲ دفعات تھیں۔

یہ دستور ایک اہم وثیقہ ہے جسے ابن اسحاق نے اپنی تالیف سیرت ابن اسحاق میں اور ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب الاموال میں ذکر کیا ہے۔ متاخرین میں بھی حافظ ابن کثیر نے اسے اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں کامل نقل کیا ہے۔ اسی طرح سے ابن سید الناس نے بھی اپنی کتاب "کتاب السیرۃ" میں اسے نقل کیا ہے۔

اہم بات یہ ہے کہ اس تحریری صحیفہ میں جسے دستور دولتِ مدینہ کہا جاتا ہے یہ الفاظ کہ اہل ہذہ الصحیفة پانچ مرتبہ آئے ہیں اور اس سے یہ بات مکمل طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ صحیفہ تحریری شکل میں تھا۔ (دیکھئے کتاب صحیفہ عہد نبوی میں صفحہ ۱۰ الشیخ ابو بکر غزنوی)

مکتوبہ احادیث کی دوسری قسم

اب ہم ان احادیث کا ذکر کریں گے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کرام نے لکھیں

صحیفہ الصادقہ

یہ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کا وہ مجموعہ ہے جسے عبد اللہؓ بن عمرو بن عاص نے مرتب کیا۔ یہ بات اہل علم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمرو کو اپنے سامنے احادیث لکھنے کی اجازت دی تھی جیسا کہ مندرجہ ذیل احادیث صحیحہ سے واضح ہے:۔

كما يتضح من الاحاديث الصحيحة التالية ، حدثنا عبدالله حدثني ابي ثنا علي بن عاصم اخبرنا دويد الخراساني والزبير بن عدي قاعدمعه قال لنا عمرو ابن شعيب عن ابيه عن جده ، قال قلت يا رسول الله ، انا نسمع منك احاديث لا نحفظها افلا نكتبها قال : بلى فاكتبوها ۔

(رواه احمد [illegible] باسناد صحيح)

ترجمہ :۔ "عبد اللہؓ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے رسول اللہ ہم آپ سے بہت سی احادیث سنتے ہیں اور انہیں یاد نہیں رکھ سکتے کیا ہم انہیں لکھ نہ لیں۔ آپ نے جواباً فرمایا :"کیوں نہیں انہیں لکھ لیا کرو"۔

وعن عبد الله ابن عمرو انه اتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله انى اريد ان اروى من حديثك فاردت ان استعين بكتاب يدى مع قلبى ان رايت ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان كان حديثى ، ثم استعن بيدك مع قلبك

(رواه الدارمی (۱/۱۰۴) وصحح اسناده الحاكم في المستدرك واقره الذهبي)

ترجمہ :۔ عبد اللہؓ بن عمرو سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ سے حدیث روایت کیا کروں۔ میری چاہت ہے کہ میں جہاں دل ہی دل میں احادیث یاد کرتا ہوں اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کو

لکھ لیا کروں اور فنِ کتابت سے مدد لیا کروں ۔ اگر آپ اسے مناسب سمجھیں تو مجھے اس کی اجازت دیں ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ہاں اگر میری حدیث لکھنا چاہتے ہو تو دل سے بھی کام لو اور ہاتھ سے بھی مدد لو ۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ کہتے ہیں :۔

کُنت اکتب کل شئی اسمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم ارید حفظه فنهتنی قریش ۔ فقالوا : انك تکتب کل شئ تسمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم ورسول الله صلی الله علیه وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضا ۔ فامسکت عن الکتاب ۔ فذکرت ذلك لرسول الله صلی الله علیه وسلم فقال : اکتب فو الذی نفسی بیده ما خرج منی الا الحق"

(رواہ احمد ۲/۱۶۲ وابوداؤد ۲/۱۲۶ والدارمی وصححه الحافظ ابن حجر فی فتح الباری)

ترجمہ :" میں یوں کیا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ بھی سنتا تو اسے ضبط میں لانے کی نیت سے لکھ لیا کرتا ۔ چنانچہ مجھے اہلِ قریش نے روکا اور کہا کہ تم جو کچھ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے ہو لکھ لیا کرتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں ۔ کبھی غصے کے عالم میں گفتگو فرما رہے ہوتے ہیں کبھی خوشی کے عالم میں ۔ تو میں نے لکھنا بند کر دیا ۔ اور اس بات کا ذکر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا : " ہاں لکھ لیا کرو ۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ میری ذات سے سوائے حق کے کوئی بات نہیں نکلتی "۔

"حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا یزید بن هرون و محمد بن یزید قالا انا محمد ابن اسحق عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قال قلت یا رسول الله اکتب ما اسمع منك قال نعم قلت فی الرضا والسخط قال نعم فانه لا ینبغی لی ان اقول فی ذلك الا حقا قال محمد بن یزید فی حدیثه یا رسول الله فی

أسمع منك أشياء فأكتبها . قال نعم .

(رواه أحمد ۲/۲۰۷ بإسناد صحيح)

ترجمہ: "عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ کیا میں جو کچھ بھی آپ سے سنوں لکھ لیا کروں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی خوشی اور غصے دونوں حالتوں میں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اس لیے کہ یہ میری شان کے لائق نہیں ہے کہ میں کسی بھی حالت میں سوائے حق کے کوئی اور بات کروں۔ محمد بن یزید اپنی حدیث میں کہتے ہیں کہ یارسول اللہ میں آپ سے بہت سی چیزیں سنا کرتا ہوں کیا انہیں ضبط تحریر میں لا سکتا ہوں آپ نے فرمایا: ہاں۔"

وعن أبي راشد الحبراني ، قال أتيت عبد الله ابن عمرو ابن العاص ، فقلت له حدثنا مما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم فألقى بين يدي صحيفة"

(مسند أحمد بن حنبل ۲ : ۱۹۲)

ترجمہ: "ابو راشد حبرانی سے روایت ہے کہتے ہیں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے عرض کی کہ جو کچھ آپ نے رسول اللہ سے سنا ہے ہمارے سامنے بیان کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے یہ کیا کہ ہمارے سامنے ایک صحیفہ لا کر رکھ دیا۔"

یہ صحیفہ جس کا نام صحیفہ صادقہ ہے آپ کے خاندان میں کئی نسلوں تک رہا اور آپ کے پوتے شعیب اسی صحیفے سے احادیث سنایا کرتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ۸ : ۵۲)

عبداللہ بن عمرو کی کتابت حدیث کی بہت بڑی شہادت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملتی ہے۔ ان کا قول ہے۔

"ما من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم أحد أكثر حديثا عنه مني ، إلا ما كان من عبد الله بن عمرو ، فإنه كان يكتب ولا أكتب"

(فتح الباری ۱ / ۲۰۷ ، صحیح البخاری ، العلم ۳۹ ، ۱۱۳ احمد جلد ۲ ص ۲۴۸ ، الدارمی ۱ / ۱۲۵)

ترجمہ :- "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والا ہو۔ ہاں سوائے عبداللہ بن عمرو کے کہ وہ احادیث لکھا کرتے تھے اور میں لکھا نہیں کرتا تھا۔"

یاد رہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۵۳۷۴ احادیث روایت کی ہیں اب اس سے یہ بات تصور میں لائی جا سکتی ہے کہ صحیفہ صادقہ میں احادیث نبوی کی تعداد کس قدر ہو گی۔

یہ صحیفہ صادقہ سیدنا عبداللہ بن عمرو کے لیے ان کی متاع حیات تھا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے :-

"أخبرنا محمد بن سعيد أنا شريك عن ليث عن مجاهد عن عبد الله بن عمرو قال :

ما يرغبني في الحياة إلا الصادقة والوهط فأما الصادقة فصحيفة كتبتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم ......"

(رواه الدارمي ۱ / ۱۰۵ باسناد صحيح)

ترجمہ :- "کسی چیز نے مجھے زندہ رہنے کی اس قدر تمنا نہیں بخشی جتنی صحیفہ صادقہ نے۔ اور صادقہ وہ صحیفہ ہے جس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کے نقل کیا۔"

مکتوب احادیث کی تیسری قسم

اب ہم ان صحائف اور احادیث کے مجموعوں کا ذکر کریں گے جنہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اٹھ جانے کے بعد لکھا اور یہ صحیفے بہت سے ہیں ان میں چند کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ صحیفہ ابی ہریرہؓ

یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی بھی مجموعۂ حدیث تحریری شکل

میں موجود نہیں تھا اور یہ بات درست نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ اہل کتاب میں سے تھے اور اس بات کی تصریح حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "فتح الباری" میں کی ہے۔ لکھتے ہیں :

ابو ہریرہؓ کا یہ قول کہ میں احادیث لکھا نہیں کرتا تھا بظاہر اس بات سے متناقض نظر آتا ہے کہ وہ اہل کتب میں سے ہیں جیسا کہ ابن وہب نے حسن بن عمرو بن امیہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کے ہاں ایک حدیث کے بارے میں گفتگو چل رہی تھی تو انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑا اور اپنے گھر لے گئے اور ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت شدہ احادیث کا ایک مجموعہ کئی کتابوں کی شکل میں دکھایا اور فرمایا : دیکھو یہ سب کچھ میرے پاس لکھا ہوا ہے۔ ابن عبد البرؒ کہتے ہیں کہ ہمام کی حدیث درست ہے اور دوسری بات بھی درست اور دونوں باتوں میں تناقض نہیں ہے بلکہ ان کو باہم دیگر جمع کیا جا سکتا ہے اس لیے یہ تو ممکن ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نہ لکھا ہو اور بعد میں لکھ لیا ہو یا لکھوا لیا ہو اور زیادہ صحیح یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ ان کے پاس جو احادیث لکھی ہوئی تھیں وہ ان کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی نہیں ہوں گی اس لیے کہ یہ بات بھی ثابت ہے کہ وہ خود لکھنا نہیں جانتے تھے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ احادیث کسی اور سے لکھوا کے اپنے پاس رکھی ہوئی ہوں۔ (فتح الباری ۱/۲۰۷)

۲۔ صحیفۂ علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بھی احادیث نبوی کا ایک مجموعہ موجود تھا اور وہ اسے صحیفہ کا نام دیا کرتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں یہ حدیث موجود ہے :-

عن أبي جحيفة قال : قلت لعلي هل عندكم كتاب ؟ قال لا إلا كتاب الله ، أو فهم أعطيه رجل مسلم ، أو ما في هذه الصحيفة . قال قلت : فما في هذه الصحيفة ؟ قال : العقل ، وفكاك الأسير ولا يقتل مسلم بكافر

(الحديث رقم ۱۱۱ ، كتاب العلم في صحيح البخاري)

ترجمہ :- ابی جحیفہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا

کہ کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور کتاب بھی آپ کے پاس موجود ہے تو انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا : نہیں ، سوائے کتاب اللہ کے اور کچھ نہیں ۔ ہاں بصیرت موجود ہے جو ایک مردِ مومن کو دی جاتی ہے اور ہاں یہ صحیفہ بھی میرے پاس موجود ہے ۔ کہتے ہیں میں نے پوچھا : اس صحیفے میں کیا ہے ۔ میں نے کہا : دانشمندی ، اور کچھ مسائل جو قیدیوں کی رہائی اور اس بارے میں ہیں کہ کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کیا جائے ۔

۳۔ صحیفۂ ابی بکر رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا ایک ایسا ہی مجموعہ موجود تھا اور وہ اپنے خلافت کے زمانے میں لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنایا کرتے تھے ۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے :۔

"حدثنا عبد الله حدثني أبي ثنا وكيع عن أبي خالد عن قيس قال رأيت عمر رضي الله عنه وبيده عسيب نخل وهو يجلس الناس يقول اسمعوا لقول خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء مولى لأبي بكر رضي الله عنه يقال له شديد بصحيفة فقرأها على الناس فقال أبو بكر رضي الله عنه اسمعوا وأطيعوا لما في هذه الصحيفة فو الله ما آلوتكم"

(أخرجه مسند أحمد بن حنبل ۱/۳۷ باسناد صحيح)

ترجمہ :۔ قیس سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اور ان کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی اور وہ لوگوں کو بٹھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ لوگو رسول اللہ کے خلیفہ کی بات سنو ۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر کا غلام جسے شدید کہا جاتا ہے ایک صحیفہ لے کر آیا اور اس نے لوگوں کو وہ پڑھ کے سنایا ۔ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے کہ اے لوگو جو کچھ اس صحیفہ میں ہے اسے سنو اور اس کی اطاعت کرو ۔ خدا کی قسم میں نے اس میں کچھ کمی بیشی نہیں کی ہے (یعنی جو کچھ حضور سے سنا ہے وہی اس میں نقل کیا ہے) ۔

۲. صحیفہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ

اسی طرح سیدنا رافع بن خدیج انصاری کے پاس بھی احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ موجود تھا جسے انہوں نے چمڑے پر لکھ رکھا تھا۔ درج ذیل حدیث سے یہ بات واضح ہے۔

"قال نافع بن جبير: خطب مروان في الناس فذكر مكة وحرمتها فناداه رافع ابن خديج وقال: ان مكة ان تكن حرما فان المدينة حرم حرمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو مكتوب عندنا في اديم خولاني"

(مسند احمد ٤: ١٤١، الوثائق السياسية ١/١٣٠/٤٧)

ترجمہ: "نافع بن جبیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مروان نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور اس بات کا ذکر کیا کہ مکہ حرم ہے چنانچہ رافع بن خدیج نے پکار کے کہا کہ یہ بات ذہن میں رہے کہ اگر مکہ حرم ہے تو مدینہ منورہ بھی حرم ہے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا ہے اور یہ بات ہمارے پاس چمڑے کے صحائف میں لکھی ہوئی ہے۔"

ایک اور حدیث صحیح بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

وعن رافع بن خديج قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: تحدثوا وليتبوأ من كذب على متعمدا مقعده من جهنم. قلت يا رسول الله انا نسمع منك اشياء فنكتبها قال اكتبوا ولا حرج.

(رواه الطبراني في الكبير وقد اشار الهيثمي الى تصحيحه في مجمع الزوائد ١/١٥١)

ترجمہ: "رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے تشریف لائے اور ہم سے یہ فرمایا کہ مجھ سے احادیث نقل کیا کرو لیکن وہ شخص جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھ لینا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں، تو کیا انہیں لکھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا لکھ لیا کرو، کوئی حرج

کی بات نہیں۔"

۵۔ صحیفہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہے اور بطور خادم کام کرتے رہے۔ اس عرصے میں جو کچھ بھی انہوں نے آپ سے سنا یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھا، وہ اپنے سینے میں محفوظ کرتے چلے گئے۔ سیدنا انسؓ اپنی اولاد کو احادیث کی کتابت کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

ثمامہ بن عبداللہ کا قول ہے کہ سیدنا انسؓ بن مالک اپنے بیٹوں سے یوں کہا کرتے تھے :-

"یَا بَنِیَّ قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابَةِ"

(رواہ الطبرانی فی الکبیر وصحح اسنادہ الہیثمی فی مجمع الزوائد ۱: ۱۵۱)

ترجمہ :- "میرے بچو علم (یعنی احادیث) کو بذریعہ تحریر ضبط میں لے آؤ۔"

اور آپ کہا کرتے تھے :-

"کنا لا نعد من لم یکتب علمہ علما"

(تقیید العلم ۹۶ و شرف اصحاب الحدیث ۹۷ ب)

ترجمہ :- "وہ شخص جو اپنے علم کو ضبط تحریر میں نہیں لاتا تھا ہم اس کے علم کو علم شمار نہیں کیا کرتے تھے۔"

بے شمار ایسی احادیث ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ کتابت حدیث کی اجازت دیتے تھے بلکہ کتابت احادیث کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

چند احادیث درج ذیل ہیں :-

۱۔ "عن ابن عباس قال : لما اشتد بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم وجعہ قال : ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ"

(صحیح البخاری العلم / ۱۱۴)

ترجمہ :- "حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مرض موت کے دوران یاد

تکلیف میں مبتلا ہو گئے تو آپ نے فرمایا کوئی لکھنے کی چیز میرے پاس لے آؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں تاکہ بعد میں تم کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ "۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے :۔

" اس حدیث میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کتابت علم حدیث کو روا رکھتے تھے "۔ (فتح الباری ۱/۲۰۹)

صحیح البخاری جو کہ کتب حدیث میں سب سے زیادہ درست اور قابل اعتماد قرار دی جاتی ہے، میں ایک مستقل باب " کتابت العلم " کے نام سے موجود ہے۔ اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اقوال موجود ہیں جو کتابت احادیث سے متعلق ہیں۔

مندرجہ ذیل اس بات پر حجت قاطعہ ہے کہ سیدنا انسؓ اپنے بیٹوں کے ذریعہ احادیث لکھواتے تھے

۲۔ " عن عتبان بن مالک قال : أصابني في بصري بعض الشيئ فبعث الى رسول الله صلى الله عليه وسلم اني أحب ان تأتيني فتصلي في منزلي فأتخذه مصلى قال فأتى النبي صلى الله عليه وسلم ومن شاء الله من أصحابه فدخل وهو يصلي في منزلي وأصحابه يتحدثون بينهم ثم اسندوا اعظم ذلك وكبره مالك بن دخشم قالوا ودوا أنه دعا عليه فهلك وودوا أنه اصابه شر فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة وقال أليس يشهد أن لا اله الا الله واني رسول الله قالوا انه يقول ذلك وما هو في قلبه ، قال لا يشهد احد أن لا اله الا الله واني رسول الله فيدخل النار أو تطعمه قال أنس فاعجبني هذا الحديث فقلت لابني أكتبه فكتبه "

(صحیح مسلم ، باب ۱۰ کتاب الایمان)

" عتبان بن مالک سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میری آنکھ میں کچھ تکلیف ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ہاں

تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز پڑھیں اور میں اس جگہ کو اپنی نماز کی جگہ بنا لوں کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے ساتھ کچھ صحابہ کرام بھی تھے۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور آپ نے میرے گھر میں نماز پڑھی۔ اس دوران صحابہ کرام آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ گفتگو منافقین کے موضوع پر تھی۔ وہ لوگ مالک بن دخشم کو ایک بہت بڑا منافق سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے بددعا فرمائیں اور وہ ہلاک ہو جائے یا کم از کم اسے کوئی تکلیف پہنچے۔ جب نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا: "کیا وہ اس بات کی شہادت نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں" ؟ انہوں نے کہا یہ تو وہ کہتا ہے لیکن غالباً یہ بات اس کے دل میں نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، وہ شخص جنت میں داخل ہوگا اور اسے آگ نہیں چھوئے گی"۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی اور میں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹی اسے لکھ لو۔ اس نے اس حدیث کو لکھ لیا۔

۳۔ "اخبرنا محمد بن سعید انا شریک عن طارق بن عبد الرحمن، عن سعید بن جبیر قال:
كنت اسمع من ابن عمر و ابن عباس الحديث بالليل فاكتبه في واسطة الرحل"

(رواه الدارمی ۱/۱۰۵ باسناد صحیح)

ترجمہ:۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ سے اور ابن عباسؓ سے رات کے وقت احادیث سنا کرتا تھا اور اسے اپنے اونٹ کے پالان کی لکڑی پر لکھ لیا کرتا تھا"۔

۴۔ "اخبرنا ابو عاصم اخبرنی ابن جریج عن عبد الملك بن عبد الله بن ابی سفیان عن عمه عمرو بن ابی سفیان انه سمع عمر بن الخطاب يقول: قيدوا العلم بالكتاب"

(رواہ الدارمی ۱/۱۰۵ وصححه الحاکم فی مستدرکه ۱/۱۰۶)

ترجمہ: عمرو بن ابی سفیان سے روایت ہے۔ انہوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: "اے لوگو! علم کو قید تحریر میں لے آؤ۔"

ایک اعتراض کا جواب

بعض معترضین یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت احادیث سے منع فرمایا تھا جیسا کہ ایک حدیث صحیح میں ایک مشہور قول درج ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تکتبوا عنی شیئا غیر القرآن" (رواہ مسلم)

ترجمہ: "سوائے قرآن کے اور کوئی چیز میری جانب سے نہ لکھا کرو۔"

تو اب یہ کیسے ممکن ہے کہ بیک وقت حضور اکرم نے احادیث لکھنے سے منع بھی فرمایا ہو اور آپ کے عہد میں احادیث کی کتابت بھی ہوئی ہو؟

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس اعتراض کا خوبصورت جواب دیا ہے۔ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

"ابو شاہ یمنی صحابی کے قصے میں یہ بات وارد ہے (جیسا کہ بخاری شریف میں آیا) کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اکتبوا لابی شاہ" یعنی ابو شاہ کو میری یہ تقریر لکھ کے دے دو)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت فرما دی۔ اب یہ (حدیث) ابو سعید خدری کی اس صحیح حدیث سے بظاہر متعارض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تکتبوا عنی شیئا غیر القرآن" (رواہ مسلم)

ترجمہ: "مجھ سے سوائے قرآن کے کوئی چیز نہ لکھو"

ان دونوں بظاہر متناقض اقوال میں مطابقت کی یہ صورتیں ممکن ہیں۔ اولاً یہ کہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابت سے اس وقت کے لیے منع فرمایا ہو جب کہ قرآن مجید

نازل ہو رہا ہو۔ اس ڈر سے کہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث گڈمڈ نہ ہو جائیں اور اس وقت کے علاوہ اور تمام اوقات میں احادیث لکھنے کی اجازت عام ہو۔

ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپؐ نے حدیث لکھنے سے یوں منع فرمایا ہو کہ حدیث اس کاغذ پر یا لکھنے کی چیز پر نہ لکھی جائے جس پر قرآن مجید لکھا جا رہا ہو۔ اس ڈر سے کہ قرآن اور حدیث میں التباس نہ ہو جائے اور اس بات کی اجازت دی ہو کہ قرآن کو الگ کسی چیز پر اور حدیث کو الگ کسی چیز پر لکھ لیا جائے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا کسی موقع پر حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہو اور بعد میں اس کی اجازت دے دی ہو۔ یعنی حدیث لکھنے کی اجازت ناسخ ہو اور حدیث لکھنے سے منع کرنے کا حکم منسوخ ہو۔ مطلب یہ کہ کسی ابتدائی دور میں جب کہ قرآن مجید کی آیات لکھی جا رہی تھیں صحابہؓ کو احادیث لکھنے سے آپؐ نے منع فرما دیا ہو۔ اور جب صحابہ کرام قرآن اور حدیث میں فرق کرنے کے عادی ہو گئے اور قرآن و حدیث میں باہم دیگر التباس کا امکان نہ رہا تو آپ نے اجازت دے دی اور یہی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپؐ نے احادیث لکھنے سے ان لوگوں کو روکا جن کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ وہ لکھنے پر ہی بھروسہ کر لیں گے اور احادیث یاد رکھنا چھوڑ دیں گے۔ ان کے علاوہ باقی حضرات کو احادیث لکھنے کی اس وقت بھی اجازت تھی۔" (فتح الملہم ۱/۲۰۸)

عہدِ نبوی میں کتابتِ حدیث سے متعلق اس سے زیادہ مختصر وضاحت میرے بس میں نہیں تھی اب میں قارئینِ کرام کی خدمت میں صرف یہ گزارش کروں گا کہ مقالہ نگار کی اس عبارت کی طرف دوبارہ توجہ دیں اور اس کے علم اور امانتِ علمی کی داد دیں :-

"پس ابتدائی دور میں تعلیم کا انداز تقلیدی و رسمی تھا۔ چنانچہ احادیثِ نبویہ دوسری صدی ہجری میں حیطۂ تحریر میں لائی گئیں"

حقیقت یہ ہے کہ احادیثِ نبوی عین ابتدائی دور سے ہی لکھی جا رہی تھیں۔ یہ ضرور ہے کہ ان کی مکمل تدوین بعد کے ادوار میں ہوئی۔

ہم احادیث کی کتابت کو تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور (سنہ ۱۱ سے سنہ ۱۰۰ ہجری تک)

اس دور میں لوگوں نے احادیث کو زبانی یاد بھی کیا اور لکھا بھی۔ لیکن انہوں نے حدیث کا علم براہ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات سے اخذ کیا اور اس دور میں صحابہ اور تابعین کی کوششیں عام طور پر انفرادی نوعیت کی ہیں۔

دوسرا دور (سنہ ۱۰۰ سے سنہ ۱۵۰ ہجری تک)

اس دور میں اہل علم حضرات نے انفرادی طور پر احادیث کو زبانی بھی یاد کیا اور تحریر میں بھی لائے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ مختلف شہروں میں گھوم پھر کر حضورؐ کی احادیث کو چن چن کر جمع کرنا شروع کر دیا۔

تیسرا دور (سنہ ۱۵۰ سے سنہ ۳۰۰ ہجری تک)

یہ حدیث لٹریچر کی انتہائی عظمت کا زمانہ ہے۔ ایک نیا اسلوب تحقیق سامنے آیا۔ احادیث کی پہچان ان سے متعلق باقاعدہ ایک سائنس مرتب ہوئی۔ احادیث روایت کرنے والے حضرات جنہیں راوی کہا جاتا ہے کی زندگی، ان کے کردار، علم، ذہانت، حفظ، تقویٰ و اخلاص کے متعلق پوری پوری معلومات انتہائی دقت اور احتیاط کے ساتھ حاصل کی گئیں۔ تمام راویوں کی شخصیات پر بحث کی گئی اور ان کے بارے میں مستقل رائے قائم کر لی گئی۔ اس علم کو "علم اسماء الرجال" کہتے ہیں۔ تقریباً ایک لاکھ شخصیتوں کے کردار اور صلاحیتوں کا بے رحمانہ جائزہ لیا گیا اور ایک ایسا معیار قائم کیا گیا جس کے ذریعے سے کوئی ناقابل اعتماد راوی قابل اعتماد راویوں کی فہرست میں شامل نہیں ہو سکتا تھا اس قدر طویل اور تھکا دینے والے کام کے بعد وہ احادیث کے مجموعے اور کتب ہمارے سامنے ظاہر ہوئیں جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

احادیث کا زبانی یاد کرنا

اس میں کوئی شک نہیں کہ عربوں کے ہاں حافظہ، علم و معرفت کے ضبط اور نقل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھا اور انہیں اپنی قوتِ حافظہ پر ناز تھا اس معاملے میں وہ دنیا کی دوسری قوموں سے ممتاز تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس معاملے میں اللہ کی ایک چلتی پھرتی نشانی تھے۔ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ زبانی یاد رکھنے کے لیے انہیں معجزانہ قوت نصیب ہوئی تھی۔ اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ انہیں رسول اکرمؐ سے خاص تعلق تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عادات و اطوار، اقوال و افعال اور حضورؐ کی تمام اداؤں کو وہ بہت غور سے دیکھتے، انہیں یاد رکھتے اور دوسروں تک پہنچاتے۔ اس سلسلے میں بعض صحابہؓ کو تو رسول اکرم کی خاص دعا بھی حاصل تھی جیسا کہ بخاری شریف میں یہ صحیح حدیث روایت ہے:

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قلت: يا رسول الله انی اسمع منك حديثا كثيرا انساه، قال: ابسط ردائك فبسطته، قال: فغرف بيديه، ثم قال: ضمه، فضممته فما نسيت شيئا بعده"

ترجمہ: "حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: "اپنی چادر پھیلاؤ" کہتے ہیں کہ میں نے اپنی چادر پھیلا دی تو اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس چادر کو بھرا پھر فرمایا کہ اس چادر کو لپیٹ لو تو میں نے لپیٹ لیا۔ اس کے بعد سے میں نے رسول اکرمؐ سے جو کچھ بھی سنا کبھی نہیں بھولا"

یہی حدیث صحیح مسلم میں سلسلۂ اسناد میں اعرج کے طریقے سے زیادہ وضاحت کے ساتھ آئی ہے۔

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: من يبسط ثوبه فلن ينسى شيئا

سمعه منی ، فبسطت ثوبی ـــــ حتی قضی حدیثه ، ثم
ضممته الی فما نسیت شیئاً سمعته منه "۔۔۔۔

"حضرت ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے یہاں فرمایا کہ " جو شخص بھی میرے سامنے اپنا کپڑا پھیلائے گا اس کے بعد وہ جو کچھ بھی
مجھ سے سنے گا کبھی نہیں بھولے گا ۔ چنانچہ میں نے اپنا کپڑا پھیلا یہاں تک کہ آپ نے
اپنی پوری بات نقل کی اور میں نے اس کپڑے کو پھر سے لپیٹ لیا ۔ اس کے بعد میں نے
جو کچھ بھی رسول اکرم سے سنا ، کبھی نہیں بھولا "

اس حدیث میں صحیح بخاری کی حدیث پر یہ اضافہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا یہ
عمل صرف سیدنا ابو ہریرۃ کے لیے ہی نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ کے لیے تھا جیسا کہ سیاق عبارت سے واضح
ہے اور خاص طور پر ان الفاظ سے کہ " جو شخص بھی کپڑا پھیلائے گا "

یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت میں سیدنا ابو ہریرۃ نے واقعہ صرف اپنی ذات کی حد تک
بیان کیا ہے حالانکہ یہ بات تمام صحابہؓ کے لیے عام تھی اور اس میں کچھ اشکال نظر نہیں آتا کہ صحابہؓ کرام
میں سے کثیر تعداد نے حضور اکرمؐ کے سامنے چادر پھیلائی ہو اور حضورؐ کی دعا کی ہو اور انہیں وہی کچھ
نصیب ہوا ہو جو سیدنا ابو ہریرۃؓ کو نصیب ہوا ۔

یہاں یہ بات لائق توجہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرۃؓ نے اس قدر قوی حافظہ حاصل ہو جانے کے باوجود
اپنے حافظہ پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ تمام ذخیرۂ احادیث کو تحریر میں کسی نہ کسی طریقہ سے لے آئے جیسا کہ
گذشتہ صفحات میں ہم نے ابن حجر عسقلانی کے قول سے یہ بات ثابت کی ہے کہ سیدنا ابو ہریرۃؓ کے ہاں
احادیث کا تمام ذخیرہ تحریری شکل میں موجود تھا ۔

دوسری طرف یہ بات بھی دھیان میں رہنی چاہیئے کہ جو صحابہؓ کرام احادیث کی کتابت کرتے تھے
وہ بھی کتابت پر بھروسہ نہیں کیا کرتے تھے ۔ زیادہ سے زیادہ احادیث کو یاد کر لینا اور انہیں اپنی زندگی
میں اپنانا اور اسی رنگ میں رنگے جانا ان کا اصل سرمایۂ افتخار تھا ۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی دور سے ہی کتابت کی حوصلہ افزائی فرمائی
اور لوگوں کو قرأت اور کتابت سیکھنے کی بے حد ترغیب فرمائی ۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے سے ہی

مسلمانوں کے اندر فنِ کتابت پھیلنا شروع ہوا۔ یہ بات درست ہے کہ عرب اپنے حافظے پر بہت ناز کرتے تھے اور علم و معرفت کو اپنے سینے میں ہی محفوظ کیا کرتے تھے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد علم و معرفت کا خزانہ اس قدر وسیع ہو گیا کہ حفظِ صدر کے ساتھ ساتھ کتابت کا سہارا لینا ضروری ہو گیا۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ میں وہ حضرات جو حفاظِ حدیث شمار ہوتے تھے، ان میں سے اکثر نے یہ اہتمام کیا کہ جہاں احادیث کو یاد کیا وہاں یا خود لکھا یا دوسروں کے ذریعے اس کو لکھوا کے اپنے پاس محفوظ کر لیا تاکہ ان کی وفات کے بعد یہ خزانہ ضائع نہ ہونے پائے۔

یہی وجہ ہے کہ بعد کے زمانے میں محدثین کرام نے صحتِ اسناد کے لیے یہ شرط ٹھہرائی ہے کہ راوی کو صحیح الضبط ہونا چاہیے اور ضبط سے مراد دو چیزیں ہیں:

۱۔ ضبطِ صدر   ۲۔ ضبطِ کتاب

یعنی علمِ اسماء الرجال میں صحیح راوی وہ ہے جو بیک وقت احادیث کو زبانی بھی یاد کرتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ ان احادیث کا مجموعہ تحریری شکل میں بھی اس کے پاس موجود ہو۔ یہ بات صحتِ اسناد کے لیے ایک بنیادی قضیہ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ محدثین کرام کی تاریخ میں خواہ وہ متقدمین ہوں یا متاخرین ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو اس کے برعکس رائے رکھتا ہو۔ تمام حضرات نے احادیث کو تحریر میں لانا صحتِ اسناد کے لیے شرط قرار دیا ہے اور اس شرط سے سوائے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کوئی راوی بھی مستثنیٰ نہیں۔ صحابہ کرامؓ کو شرطِ تحریر سے اس لیے مستثنیٰ قرار دیا گیا کہ انہوں نے حضور اکرمؐ سے احادیث براہِ راست سنیں اور نہ صرف سنیں بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے سب کچھ کرتے ہوئے دیکھا اور سنتِ طیبہ کے رنگ میں اپنے آپ کو مکمل طور پر رنگ لیا۔ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرمؐ کی سنتِ طیبہ کو جو کہ آپ کے اقوال، افعال اور آثار پر مشتمل ہے۔ دیکھا، سنا، یاد کیا، اپنایا اور اسے اپنی زندگی کا جزو لاینفک بنا لیا۔ اب اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ایک صحابی جو حدیث کو یاد رکھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے اس کے بیان کرنے میں غلطی کرے۔

یہی وجہ ہے کہ محدثین کرام کے نزدیک ایک صحابی میں صحتِ ضبط کے لیے شرطِ کتابت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ ہاں غیر صحابی کے لیے شرطِ کتابت ضروری ہے۔ اس شرط کی عدم موجودگی میں اس کی صحتِ ضبط میں کلام کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں بے شمار روایات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ صدرِ اول میں ہی ابوالاسود الدؤلی نے قواعد کو تحریری طور پر مرتب کیے تھے۔

یحییٰ بن یعمر بصرہ کے اعاظم رجال میں سے تھا۔ ابن حبان اسے ثقات التابعین میں لکھتا ہے۔ اس نے ابن عباس، ابن عمر، علی اور معاذ وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے حدیث روایت کی ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر اس زمانے میں قواعدِ نحویہ تحریری شکل میں لائے جا چکے تھے اور انہیں کتاب و سنت کی معرفت کا ایک اہم وسیلہ شمار کیا جاتا تھا تو کیا یہ قواعد نحویہ بعد میں تحریراً ہی منتقل ہوتے رہے یا زبانی اور صدری طور پر ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچائے گئے۔

یہ بات قطعاً محال ہے کہ قواعد نحویہ ایک مرتبہ تحریری طور پر مرتب ہو جانے کے بعد، بعد کے کسی مرحلہ میں زبانی اور صدری طور پر منتقل ہوں اور ان کی روایت تحریری ہونے کے بجائے سماعی ہو جائے۔

اب اہم بات یہ ہے کہ اگر صحابہ اور تابعین کے زمانے میں قواعد نحویہ تک تحریری طور پر مرتب ہو گئے تو احادیث نبوی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان کی کتابت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دو سو سال بعد شروع ہوئی؟

---

(۴)

کیا احادیثِ نبویہ تاریخی طور پر ناقابلِ اعتماد اور غیر اہم ہیں؟

ایک اور عبارت اسی موضوع سے متعلق ہے وہ مقالہ "محمدؐ" میں نظر آتی ہے صاحب مقالہ لکھتا ہے:

احادیث کا رسمی مجموعہ یا وہ کہانیاں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال و افعال سے متعلق ہیں تاریخی طور پر ناقابلِ اعتماد ہیں۔ شاید ہی ایسا ہو کہ ان میں محمدؐ کی زندگی سے متعلق کوئی کام کی بات نظر آئے۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸، جلد ۱۲ صفحہ ۶۰۹)

اس عبارت سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ مؤلف یا تو اس موضوع سے بالکل ہی ناواقف ہے یا جان بوجھ کر کتب احادیث کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شک ڈالنا چاہتا ہے اور انہیں تاریخی طور پر ناقابلِ اعتماد ٹھہرانا چاہتا ہے۔ یہ عین جہالت ہے کہ احادیث نبویہ کے تمام مجموعوں کے بارے میں اس قدر غیر ذمہ دارانہ بیان دے دیا جائے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، علمائے اسلام اور محدثین نے احادیث کی چھان بین میں اپنی پوری کی پوری زندگیاں صرف کر ڈالیں۔ دوسری صدی ہجری میں ہی انہوں نے احادیث کو ان کی صحت وضعف کے اعتبار سے مختلف اقسام میں تقسیم کر دیا۔ وہ احادیث جو بالکل صحیح نہیں انہیں ایک طرف رکھا۔ وہ احادیث جو کسی طرح محلِ شبہ تھیں انہیں ایک طرف رکھ لیا اور محفوظ کر لیا اسی طرح سے وہ احادیث جن کے بارے میں ظن تھا کہ وہ درست نہیں ہیں انہیں بھی محفوظ کر لیا تاکہ آئندہ کبھی موقع پر وہ صحیح یا مشکوک احادیث کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو جائیں۔

[illegible] کا ذکر سلسلۂ اسناد میں ایک مرتبہ آ گیا، اس کی بے رحمانہ طور پر چھان بین کی گئی [illegible] سے ہر وہ حدیث جو صحیح قرار پائی یا مشکوک یا موضوع، اسے بے انتہا چھان بین بحث [illegible] اعلیٰ درجے کی تحقیق کے بعد یہ مقام دیا گیا اور احادیث کی بحث و تمحیص اور چھان بین کا یہ [illegible] آج تک جاری ہے۔ جو شخص چاہے اب بھی تحقیق کر سکتا ہے اور تحقیق کا یہ عمل تیرہ سو سال [illegible] جاری ہے۔

[illegible] ذمہ داری سے کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں آج تک کسی علم کو اس قدر طویل اور جانکاہ [illegible] اور اس قدر بلند درجے کی تحقیق کا شرف نصیب نہیں ہوا، جس قدر احادیث نبویہ کے علم کو [illegible] اخلاص، ایثار اور محنت کی جو دل ہلا دینے والی مثالیں اس علم کے حصول کی راہ میں ہمیں [illegible] وہ دنیا کے کسی اور علم کو نصیب نہیں ہوئی ہیں۔

[illegible] حدیث جن میں صحابہ کرام اور تابعین شامل ہیں، کی تعداد ایک لاکھ کے قریب جا پہنچتی ہے [illegible] سے ہر شخص کو ہزاروں محدثین نے اچھی طرح سے جانچا اور پرکھا ہے۔ اس کی شخصیت، کردار [illegible] حافظہ، ذریعۂ معاش، اخلاص، تقویٰ، ذہانت بلکہ وہ تمام عوامل جو احادیث کی روایت [illegible] سے بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں سب کو زیر غور لایا گیا اور ان تمام شخصیات کی انتہائی عادلانہ [illegible] چھان بین کی گئی۔ اسی طرح سے ہر حدیث کے اسناد اور طرق کو بھی ہزاروں محدثین نے جانچا اور [illegible] نے لاکھوں احادیث کے مجموعہ میں سے اپنے معیار کے مطابق صرف چند احادیث کو [illegible] اور جن احادیث پہ وہ پوری داد تحقیق نہ دے سکے ان احادیث کو اوروں کے لیے چھوڑ دیا۔ یہی [illegible] کہ ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری اپنی صحیح بخاری میں لاکھوں احادیث کا علم رکھنے کے باوجود صرف [illegible] احادیث کو لے کر آئے ہیں۔ باقی احادیث کے بارے میں ان کا قول ہے کہ بہت سی صحیح [illegible] موجود ہیں لیکن چونکہ میں تحقیق نہیں کر سکا اس لیے میں انہیں اپنی کتاب میں شامل نہیں کرتا۔

[illegible] کے مطابق تیسری ہجری تک تقریباً [illegible] احادیث ضبط تحریر میں لائی جا چکی تھیں لیکن [illegible] نے اپنے معیار کے مطابق اور اپنی محدود کوشش کے پیش نظر چند احادیث کو منتخب [illegible] اپنی کتاب میں جگہ دی اور باقی کام دوسرے محدثین کے لیے چھوڑ دیا۔

[illegible] نبویہ کو تاریخی طور پہ ناقابل اعتماد کہنا ایک غیر ذمہ دارانہ بیان ہے مگر اس سے بھی

زیادہ غیر ذمہ دارانہ حرکت یہ ہے کہ احادیثِ نبویہ کے بارے میں یہ کہہ دیا جائے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور شخصیت کے بارے میں کوئی کام کی بات بیان ہی نہیں کرتیں۔

سچی بات یہ ہے کہ ایک طالبِ علم کو جب دشمنانِ اسلام کی جانب سے اس قسم کی دیانت اور فہم اسلام کے نمونوں سے سابقہ پیش آتا ہے تو وہ دم بخود ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کا جی یہ چاہتا ہے کہ ظلمت تعصب کے ماروں کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے۔

مذکورہ بالا عبارت کا مؤلف ہماری نظر میں کسی سنجیدہ علمی گفتگو اور مدلل تحقیقی جواب کا مستحق نہیں ہے لیکن عامتہ الناس کو اس گمراہی سے بچانے کے لیے ہم صرف اتمام حجت کر رہے ہیں۔

یہ بات ہر طالب علم اچھی طرح سے جانتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے اصلی مصدر دو ہی ہیں:

۱۔ قرآن کریم۔ ۲۔ سنّتِ طیبہ۔

سنّتِ طیبہ مندرجہ ذیل تین باتوں پر مشتمل ہے:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال۔

۲۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و شمائل۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقاریر۔

(یعنی وہ باتیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سنیں یا دیکھیں اور ان سے منع نہیں فرمایا)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا پیام و کلام ہے۔ اس کی عملی تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، اعمال اور تقاریر میں پائی جاتی ہے اسے ہم سنّتِ طیبہ کہتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور اکرمؐ کی سنّت کی انتہائی باریکی کے ساتھ حفاظت کی اور اسے ضبطِ حافظہ اور ضبطِ کتابت میں لے آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی بات، آپ کی عادات، معمولات، آپ کی پسند و ناپسند، آپ کا عام لوگوں کے ساتھ برتاؤ، بیوی بچوں، رشتہ داروں، دوستوں اور دشمنوں سے آپ کا برتاؤ، آپ کی عبادات خوراک، سفر، روزے، جنگی معاہدے، خطبات، آپ کا مذاق لطیف، آپ کی مسکراہٹیں اور اللہ کے حضور آپ کی گریہ وزاری، غرض وہ کون سی ادائیں ہیں جنہیں صحابہ کرامؓ نے محفوظ نہیں کر لیا۔ اور ان کو محفوظ کرنے کا واحد ذریعہ احادیثِ نبویہ ہیں۔ ہم احادیث میں یہ تک دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ کے بارے میں تفصیلاً بیان کر دیا کہ آپ مسکراتے اور آپ کے سامنے کے دانت نظر آ جاتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس کو بھی کہ اپنی بیویوں کو بھی اس بات کی اجازت دے دی تھی کہ وہ ہر حال میں خواہ ناراض ہوں یا خوشی کی حالت میں آپ کی ہر ہر بات، ہر ہر قول، ہر ہر فعل جو انہیں پسند کو دیکھا، ذکر کیا کریں اور اسے دوسروں تک پہنچا دیا کریں۔ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ پنہاں نہ تھا اور کسی بات کو پنہاں رکھنے کی اجازت نہ تھی۔

اس موقع پر یہ عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ مستشرقین ان کے پیروکار حضرات ایک خاص نفسیاتی مشکل میں گرفتار ہیں اور بدقسمتی سے وہ اپنی اس مشکل کو سمجھ بھی نہیں پاتے۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تاریخ انسانی میں تمام کے تمام انبیاء اپنی اپنی جگہ پر ایک خاص قوم اور ایک خاص زمانے کے لیے آئے۔ جونہی وہ زمانہ ختم ہوا ان کی نبوت کا دور بھی ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان انبیاء کی تعلیمات کو نہ تو دوام حاصل ہوا اور نہ ان کی سیرت ان کی بنیادی تعلیمات بھی تحریف کا شکار ہو گئیں۔ نہ ہی ان کی زندگیاں اور ان کی سیرتیں تو تاریخی طور پر ان کا وجود سرے سے ناپید ہے۔ اس کے برعکس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری انسانیت کے لیے مبعوث فرمایا گیا اور آپ کی نبوت زمان و مکان کی قید سے بالاتر پائی۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح سے قرآن مجید کی لفظاً، حرفاً و معناً حفاظت کی گئی، اسی طرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، سیرت مبارکہ اور آپ کی سنت مبارکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ آپ کی تعلیمات جو قرآن کریم اور سنت نبویہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں، عالمگیر ہیں، آفاقی ہیں اور دائمی ہیں۔ زمانے کی لمبائی کتنی ہی آگے بڑھ جائے ان کی جدت میں کبھی فرق نہیں آئے گا۔

ہمارے مستشرقین اس امر واقعہ کو نہیں سمجھ سکے اور جب وہ اسلام پر طبع آزمائی فرماتے ہیں تو وہ اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اسی طرز سے سوچتے ہیں جس طرح سے اپنے انبیاء کے بارے میں سوچتے رہتے۔ اب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی تمام انبیاء کی تعلیمات زمانے کے اندھیروں میں گم ہو گئیں اور ان انبیاء کی سیرتیں بھی تاریخ کا ساتھ نہ دے سکیں اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ سے بھی یہی توقع رکھتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں یہ بات

نہیں آتی کہ ایک شخص کی زندگی کو اس قدر باریک بینی کے ساتھ اور اس قدر تفصیل کے ساتھ کیونکر ریکارڈ کیا گیا اور کس طرح سے وہی کا وہی ریکارڈ پوری صحت کے ساتھ چودہ سو سال گزرنے کے بعد اپنی اصلی حالت میں آج بھی موجود رہ سکتا ہے۔

یہ سمجھنے کے لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی آپ کی سنتِ طیبہ کس قدر آفاقی، عالمگیر اور دائمی ہے ذہنوں کا تعصب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ محمد رسول اللہ کی سیرتِ طیبہ اور سنتِ مطہرہ کو دیگر انبیاء کی سنت و سیرت پہ اس لیے قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ان حضرات کی نبوت ایک خاص وقت اور خاص قوم کے لیے تھی جب کہ حضور اکرم کی نبوت تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے، خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور تاریخ انسانی کے کسی دور میں بھی آئیں۔

بے محل نہ ہوگا اگر اس موقع پر مسٹر باسورتھ سمتھ ______ کی وہ عبارت نقل کر دیں جو ان کی مشہور کتاب "محمد اور محمڈنزم" میں صفحہ نمبر ۱ پر درج ہے۔

(بحوالہ خطبات مدراس صفحہ ۹۰ مصنفہ سید سلیمان ندوی)

ریورنڈ باسورتھ سمتھ (Bosworth Smith) فیلو آف ٹرینٹی کالج آکسفورڈ نے ۱۸۷۴ء میں "محمد اینڈ محمڈنزم" کے نام سے رائل انسٹیٹیوشن آف گریٹ برٹین میں لیکچر دیے تھے اور جو کتاب کی صورت میں چھپے ہیں۔ اس میں ریورنڈ موصوف نے نہایت خوبی سے کہا ہے:

"جو کچھ عام طور سے مذہب کی ابتدا نامعلوم ہونے کی نسبت صحیح ہے، وہی بدقسمتی سے ان تینوں مذہبوں اور ان کے بانیوں کی نسبت بھی صحیح ہے، جن کو ہم کسی بہتر نام موجود نہ ہونے کے سبب سے تاریخی کہتے ہیں۔ ہم مذہب کے اولین اور ابتدائی کارکنوں کی نسبت بہت کم، اور ان کی نسبت جنہوں نے ان کی محنتوں میں بعد کو اپنی محنتیں ملائیں، شاید زیادہ جانتے ہیں۔ ہم زرتشت اور کنفیوشس کے متعلق اس سے کم جانتے ہیں جو سولن اور سقراط کے متعلق جانتے ہیں۔ موسیٰ اور بدھ کے متعلق اس سے کم واقف ہیں جو ہم ایمبروز (Ambrose) اور سیزر کے متعلق جانتے ہیں۔ ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پردہ اٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا۔ جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت

زیادہ کہ سے ایک آئیڈیل لائف" جو بہت دُور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور
ناممکن بھی۔ لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں۔ ہم مسیحؑ کی ماں، مسیحؑ کی خانگی زندگی،
ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے رُوحانی مشن کے تدریجی طلوع،
یا یک بیک ظہور کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں، جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے۔ لیکن اسلام میں
سب کچھ نمایاں ہے۔ یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے۔ ہم تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم محمدؐ کے متعلق
اس قدر جانتے ہیں جس قدر لیوتھر اور ملٹن کے متعلق جانتے ہیں۔ میتھالوجی، فرضی افسانے
اور مافوق الفطرت واقعات ابتدائی عرب مصنفین میں نہیں یا اگر ہیں تو آسانی سے تاریخی واقعات
سے الگ کیے جا سکتے ہیں۔ کوئی شخص یہاں نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو۔
یہاں پورے دن کی روشنی ہے جو ہر چیز پر پڑ رہی ہے اور ہر ایک تک وہ پہنچ سکتی ہے۔ شخصیت
کی تاریک گہرائیاں درحقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے حلقے سے باہر وہ ہمیشہ رہیں گی۔ لیکن ہم محمدؐ
کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ اُن کی جوانی، اُن کا ظہور، ان کے تعلقات، اُن کے عادات،
اُن کا پہلا تخیل اور تدریجی ترقی، ان کی عظیم الشان وحی کا ادہت نوبت آنا، اور ان کی اندرونی
تاریخ کے لیے اس کے بعد اُن کے مشن کا اعلان کیا جا چکا، ہم ایک کتاب (قرآن) رکھتے ہیں،
جو اپنی اصلیت میں، اپنے محفوظ رہنے میں، اپنے مضامین کی بے ترتیبی میں بالکل یکتا ہے،
لیکن اس کی جوہری صداقت میں کوئی شخص کبھی سنجیدہ شک نہ کر سکا۔ اگر کوئی کتاب ہم ایسی
رکھتے ہیں جو اپنے زمانے کی اسپرٹ کا آئینہ ہو، تو یہ کتاب ہے۔ عموماً تصنع اور بناوٹ سے
پاک، غیر مرتب، متضاد، تھکا دینے والی لیکن چند عظیم الشان خیالات سے معمور، ایک صاف
جو اس روحانیت سے لبریز جو اس کے اندر بند ہے، خدا کے نشہ میں مست و سرشار، لیکن
انسانی کمزوریوں کے ساتھ، جن سے پاک ہونے کا کبھی انہوں نے دعویٰ نہیں کیا۔ اور یہ محمدؐ کی
آخری عظمت ہے کہ انہوں نے ان سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔" (ص ۲۱)

---

(۵)

کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقامت گاہ آپ کی وفات کے بعد مسجدِ نبوی بن گئی ہے؟

مقالہ "محمد" کا مؤلف رقمطراز ہے :-

"مسلمان اکثر محمد کے گھر میں اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو جایا کرتے تھے جو بعد میں آپ کی وفات کے بعد مسجدِ نبوی بن گئی"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸، جلد ۱۲ صفحہ ۶۰۲)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اہم ترین سنگہائے میل سے بھی واقفیت نہیں ہے اور نہ ہی وہ ابتدائی اسلامی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کو ہجرت فرمانا آپ کی زندگی کا غالباً اہم ترین واقعہ ہے بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ تاریخِ اسلام کا اہم ترین واقعہ ہے تو بات غلط نہ ہوگی۔ پھر ہجرتِ مدینہ کے بعد سب سے پہلا اور اہم واقعہ مسجدِ نبوی کی تعمیر ہے۔ تمام مسلمانوں نے بطور ایک ٹیم کے کام کیا۔ حضور اکرمؐ نے بطور ایک مزدور کے گارا ڈھویا اور مسجدِ نبوی کی تعمیر میں ایک ایک صحابی نے اپنے پسینے کی کمائی شامل کی۔ مسجدِ نبوی کے پہلو میں چند کمرے جنہیں حجرات کہا جاتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش گاہ کے طور پر تعمیر کئے گئے لیکن مسجدِ نبوی کی تعمیر کے غالباً چھ ماہ بعد یہ مسجدِ نبوی ہی تھی جو تمام سرگرمیوں کا مرکز تھی۔ یہی سیکرٹریٹ تھا، تبلیغی مرکز تھا یہی عبادت کی جگہ تھی۔ یہی عدالت تھی اور یہی جیل بھی۔ اسی مسجدِ نبوی کے ستونوں کے ساتھ قیدیوں کو باندھ دیا جاتا تھا۔ یہی مسجدِ نبوی مہمان خانہ بھی تھی کہ باہر سے آنے والے وفود کو اسی مسجد کے صحن میں خیمے گاڑ کر ٹھہرا دیا جاتا تھا۔

اب ان مؤلف صاحب کی تحقیق کی داد دیجیے جو یہ فرماتے ہیں کہ مسجدِ نبوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وجود میں آئی اور وہ بھی اس طرح سے کہ حضور اکرمؐ کی رہائش گاہ کو مسجد بنا دیا گیا۔

ہم مؤلف مذکور کی خدمت میں صرف اتنا سوال کریں گے کہ وہ ذرا اپنی تحقیقِ خاص سے ہمیں بھی یہ بتا دیں کہ یہ تمام مذکورہ بالا سرگرمیاں حضورؐ کے زمانے میں کس جگہ عمل میں آتی تھیں۔ مسجدِ نبوی کا تو بقول مؤلف کے حضورؐ کی زندگی میں وجود ہی نہیں تھا تو کسی اور جگہ کی ذرا نشاندہی تو فرما دیں۔

(۶)

کیا خواتین کے پردہ کا عمل حضور اکرمؐ کے انتقال کے بہت بعد عراق میں شروع ہوا؟

خواتین کے پردے کے بارے میں مصنف کی دریافت یہ ہے :-

"اسلام ابتدائی طور پر مکہ اور مدینہ کے دو شہروں میں پروان چڑھا اور جونہی یہ پھیلنے لگا اس کی توسیع مہذب شہری علاقوں کی طرف ہونے لگی۔ ثقافتی طور پر یہ عراق میں گہرے ایرانی اثر کے تحت آگیا جہاں پر عربوں نے اپنے مفتوحین سے زندگی گزارنے کے ڈھنگ سیکھے۔ یہ مفتوحین تہذیبی طور پر ان سے بہت برتر تھے۔ پردے کی رسم کو بھی لے لیجئے یہ ابتدا میں طبقہ امراء (ARISTOCRACY) کی ایک خاص علامت تھا۔ بعد میں اس سے یہ کام لیا گیا کہ مردوں سے عورتوں کو الگ کیا گیا۔ پردہ کی رسم عراق میں اختیار کی گئی۔"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۱۹۶۸ء جلد ۹ صفحہ ۹۲۳)

مؤلف نے ایران کی حد تک پردے کا جو پس منظر بیان کیا ہے وہ ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن یہ بات دلچسپ ہے کہ مسلمانوں نے پردہ کی رسم عراق میں آکے ایرانیوں سے سیکھی وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بہت بعد۔

ہم ان محقق صاحب کی اطلاع کے لیے صرف اتنا عرض کریں گے کہ پردے کے احکام انتہائی وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ شائد ان صاحب کی نظر سے مندرجہ ذیل آیات نہ گزری ہوں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ (الاحزاب : ۵۹)

ترجمہ :۔ اے نبی کہہ دیجیے اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیویوں سے کہ نیچی کر لیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں ۔ اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

(سورۃ النور آیت ۳۱)

ترجمہ :۔ اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے شوہر کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھائیوں کے بیٹوں پر یا اپنی بہنوں کے بیٹوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا ان مردوں پر جو طفیلی ہوں اور ان کو ذرا توجہ نہ ہو یا ایسے لڑکوں پر جو عورتوں کی پردہ کی باتوں سے واقف نہیں ہوئے اور اپنے پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے اور مسلمانو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔

شاید مؤلف محترم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ آیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عراق میں نازل ہوئیں ۔

(۷)

کیا اسلام ہندوؤں اور زردشتیوں کو اہلِ کتاب شمار کرتا ہے؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے۔

"اسلام کا بنیادی عقیدہ اس کلمہ شہادت میں بیان کیا گیا ہے جو مسلمان ایمان کا اعلان کرتے ہوئے پڑھتے ہیں:"

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

اس بنیادی عقیدے سے مندرجہ ذیل عقائد سامنے آتے ہیں :-

۱۔ فرشتوں پر ایمان، خصوصاً فرشتہ الہام جبریل پر۔

۲۔ قرآن کے علاوہ دیگر الہامی کتابوں پر ایمان :

(اہل یہود، عیسی، زردشتی، ہندوؤں کی الہامی کتابیں")

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸ ، جلد ۹ ، صفحہ [illegible])

سوال یہ ہے کہ آیا کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور الہامی کتابوں جن میں بقول مصنف یہودیوں، عیسائیوں، زردشتیوں اور ہندوؤں کی الہامی کتابیں شامل ہیں کا آپس میں کوئی منطقی ربط موجود ہے؟ کلمہ طیبہ کی عبارت کو اور اس کے مفہوم کو بار بار ذہن میں لائیے اور سوچیے کہ اس سے کہیں بھی یہ مفہوم نکلتا ہے کہ زردشتیوں کی یا ہندوؤں کی الہامی کتابیں قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ اور زردشتیوں کو اور ہندوؤں کو قرآن اہل کتاب شمار کرتا ہے۔ بے چارے مولف کو اتنی موٹی سی بات کا بھی علم نہیں ہے کہ اسلام میں صرف یہود اور عیسائیوں کو اہل کتاب قرار دیا گیا ہے اور انہی کی الہامی کتابوں کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور یہود و نصاریٰ کو بھی کلمہ طیبہ کی بنیاد پر نہیں

بلکہ قرآن مجید کی چند آیات کی وجہ سے اہل کتاب مانا گیا ہے۔

رہ گئے زردشتی اور ہندو تو قرآن و حدیث کا پورا لٹریچر پڑھ جائیے ان کو کہیں بھی اہل کتاب شمار نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان کی کتابوں کو بطور الہامی کتابوں کے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ذمیوں میں سے کسی گروہ کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کسی مصلحت کے تحت کرلیا جائے لیکن اصولی طور پر انہیں کبھی بھی اہل کتاب نہیں مانا جائے گا۔

چنانچہ یہ کہنا انتہائی نامعقول بات ہے کہ کلمہ طیبہ کی عبارت سے دو باتوں پر ایمان ضروری ہوگیا

۱۔ ایمان بالملئکۃ

۲۔ قرآن مجید کے علاوہ یہود۔ نصاریٰ۔ زردشتیوں اور ہندوؤں کی کتابوں پہ ایمان، کہ وہ سب کی سب الہامی ہیں۔ آخر جہالت اور بے تکے پن کی کوئی حد تو ہونی چاہیئے۔

---

(۸)

کیا اسلام کا تصورِ خدا یہودی و مسیحی روایات اور زمانۂ جاہلیت سے ماخوذ ہے؟

اہلِ مغرب کی ایک بہت بڑی مشکل یہ ہے کہ اپنی جہالت کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کے بارے میں بہت تعصب کا شکار ہیں جو کسی بھی علمی تحقیق کے دوران ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ مندرجہ ذیل عبارت سے بات عیاں ہے :-

خدا کا تصور جس میں طاقت، عقل اور رحیم کے اوصاف ملے جلے نظر آتے ہیں یہودی و عیسائی روایات اور عربوں کے جاہلی تصورات سے مربوط ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کچھ ترمیم و اضافہ کے ساتھ انہیں سے اخذ کیا گیا ہے :-

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸، جلد ۹ : صفحہ ۹۱۳)

میرا خیال ہے کہ مصنف اسلام پر اس قدر غضبناک نہ ہوتے اگر قرآن و حدیث میں خدا کا ایسا تصور ڈال دیا جاتا جس میں خدا، قوت، عدل اور رحم سے بالکل عاری ہوتا اور مؤلف کے غیظ و غضب میں شاید اور بھی کمی ہو جاتی اگر قرآن و حدیث میں خدا کا تصور کچھ اس طرح کا ہوتا جو اہلِ عرب کی فہم سے بالکل بالا اور ان کے سابقہ تصورات کے بالکل برعکس ہوتا۔

مؤلف غریب کو یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نئے خدا کا تصور لے کر نہیں آئے تھے۔ وہ اسی خدا کے رسول تھے جس نے تمام انبیاء کو بھیجا۔ ہاں ہاں! اسی خدا کے رسول جس نے محمد رسول اللہ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔

پیغمبر کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ نئے نئے خدا گھڑ کے لائے یا خدا کے نئے نئے دلچسپ تصورات پیش کرے بلکہ اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انبیاء کی سابقہ تعلیمات اور خدا کے صحیح تصور میں جو تحریفات ہو جاتی ہیں ان کا ازالہ کرے اور لوگوں کے ذہنوں کو خدا کے بارے میں غلط فہمیوں سے پاک کر کے خدا کا صحیح تصور اور اس کا ایمان دلوں میں ڈال دے اور خدا کے احکام کے مطابق لوگوں کی

سیرتوں کی تعمیر کرے وہ نہ تو شاعر ہوتا ہے نہ فلسفی اور نہ ہی کسی انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار کہ دینوی الٰہی میں خدا، انبیاء اور ادیان سماوی کے بارے میں نئی نئی دلچسپ دریافتیں پیش کرتا پھرے۔

پیغمبر تصوراتی دنیا کا انسان نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک عملی شخصیت ہوتی ہے اس کا کلام واضح اور قابل فہم ہوتا ہے اس کی شخصیت آئینے کی طرح واضح اور شفاف ہوتی ہے جس کا اتباع ہر ایک کے لیے آسان وہ زندگی کے لیے اہم بنیادی حقائق اس قدر سادگی سے فطری انداز میں بیان کرتا ہے کہ ذہین ترین فرد سادہ ترین انسان بیک وقت اس کو سمجھ بھی لیتے ہیں اور ان پر عمل بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ یہودیوں عیسائیوں اور جاہل عرب کے افراد سے مخاطب ہے تو اس کے اسلوب میں ضرور ایسی باتیں ہونگی جو ان حضرات کی ذہنی زندگی سے متعلق ہوں۔ ان کے تصورات، ان کے فہم و ادراک اور ان کی ذہانت و قوت ادراک سے صرف نظر کر کے ان سے خطاب نہیں کیا جا سکتا۔

دنیا میں آج تک کوئی نبی نہیں گزرا جو کہ خشک منطقی، علم الکلام کا رسیا، دلیل بازی اور کٹھ حجتی میں گرفتار اور فلسفے کا شکار ہو اور جس کے منہ سے عملی حکمت کے جوہر نکلنے کی بجائے ناقابل فہم پہیلیاں نکلیں۔ یہ حقیقت یہ ہے کہ کار نبوت کو سمجھنے کے لیے سب سے زیادہ وقت پیش آتی ہے، وہ خشک فلسفی ہی ہوتا ہے جو اپنے تصورات کی دنیا میں مگن رہتا ہے اور عملی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مصنف کی عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف یہ کہنا چاہتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہ اللہ کی طرف سے وحی نہیں آتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا تصور جو انہوں نے دیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ تصور انہوں نے کچھ یہود و عیسائی روایات سے لیا کچھ جاہل عرب سے لے لیا اور ان میں کچھ ترمیم و اضافہ کرنے کے بعد ایک اپنی طرف سے نیا تصور پیش کر دیا۔

یہ منافقت اور بزدلی کی انتہا ہے کہ ایک طرف تو مصنف اس قدر دریدہ دہنی کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہے اور دوسری طرف اسے یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہ مسلمان ہے۔

اور یہاں پر داد دیجئے انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے ذمہ دار اہل علم حضرات کی جنہوں نے پورے عالم اسلامی میں اسلام کے عنوان کے تحت مقالہ لکھنے کے لیے انتخاب کیا تو اس شخصیت پارزہ کا۔

پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

(۹)

کیا رسولِ اکرمؐ کے پاس
سوائے قرآن کریم کے اور کوئی معجزہ نہ تھا؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے۔

"آپ کے پاس سوائے قرآن کریم کے جس کی نظیر پیش کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور کوئی معجزہ نہ تھا۔ نبی کی وفات کے بعد مسلمانوں نے معجزات کا ایک طومار آپ کی طرف منسوب کر دیا"۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۴۷ء جلد ۹ صفحہ ۹۱۲)

انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں مقالہ "محمد" کا مؤلف اس سے بھی زیادہ غیر ذمہ داری کا ثبوت دیتا ہے اس موضوع پر وہ یوں رقمطراز ہے۔

"آپ کے پاس کوئی اور معجزات تھے اور نہ ہی آپ نے ان کا دعوےٰ کیا"۔

انسائیکلوپیڈیا امریکانا طبع ۱۹۵۸ء، جلد ۱۹، صفحہ ۲۹۳

یہ بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جو دیانت و امانت سے بالکل عاری ہو۔ صرف وہی شخص جو احادیث کے اس عظیم ذخیرے کو یکسر نظر انداز کر دے، (احادیث صحیحہ کی تمام کتابوں میں معجزات کا تفصیلی ذکر ملتا ہے) وہ شخص جو اسلامی تاریخ کی تمام کتابوں سے صرف نظر کر سکے حتیٰ کہ ان کتابوں سے بھی جنہیں انتہائی متعصب مستشرقین نے لکھا ہے۔

(مستشرقین کی کتابوں میں بھی حضورؐ کے معجزات اور روحانی کارناموں کا ذکر ملتا ہے۔ خاص طور پر وہ معجزات جو غزوات اور مختلف سفروں میں صادر ہوئے)

یہ بات تو صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآن کریم میں بیان کردہ حضورؐ کے عظیم معجزہ کو بھی ماننے سے انکار کی جرأت کر سکتا ہو۔

حضورؐ کے قیام مکہ کے دوران ایران نے روم کو شکست و تاراج کیا اور ذلت آمیز شکست دی۔ حضور اکرمؐ نے صاف صاف الفاظ میں پیشین گوئی فرمائی کہ نو سال کے اندر ہی اندر روم دوبارہ ایران کو شکست دے گا اور غلبہ حاصل کرے گا اور آپ کی پیش گوئی پر کفار ہکا بکا رہ گئے اور انہوں نے اسے حضور اکرمؐ کے نبی ہونے یا نہ ہونے کا ایک معیار ٹھہرا لیا۔ مسلمانوں اور کفار میں شرطیں بندھ گئیں کہ اگر روم نے نو سال کے اندر اندر ایران کو شکست دے دی تو ہم اسلام قبول کر لیں گے اور یہ واقعہ ہوا کہ روم ایران پر پھر غالب آیا اور اس بنیاد پر بہت سے کفار نے اسلام قبول کیا۔ حضورؐ کی پیشین گوئی کی بنیاد یہ قرآنی آیات تھیں۔

الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ ـــــ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ہ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ہ

(الروم : ۱-۵)

ترجمہ: "مغلوب ہو گئے رومی ملتے ہوئے ملک میں اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔ چند برسوں میں اللہ کے ہاتھ میں سب کام پہلے اور پیچھے اور اس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور وہی ہے زبردست رحم والا۔"

مذکورہ بالا عبارت سے تو مصنف کا اسلام اور محمد رسول اللہؐ کے خلاف بغض ظاہر ہوتا ہے اگر یہ شخص ذرا بھی دیانت رکھتا تو مسند کتابوں کی یہ عظیم لائبریری جو کتب الدلائل پر مشتمل ہے اسکی نظروں سے اوجھل نہ ہوتی۔ یہاں پر تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور روحانی کارناموں کا ایک عظیم دفتر ہے۔ ایک طویل فہرست ہے جنہیں کتبِ دلائل کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ہم صرف مستند اور عظیم کتابوں کے نام لکھتے ہیں جن سے اسلام اور سیرتِ طیبہ کا ایک طالب علم بھی ناواقف نہیں رہ سکتا۔

۱۔ دلائل نبوت ، ابن قتیبہ ، المتوفی : ۲۷۶ھ۔
۲۔ دلائل نبوت : ابو اسحاق حربی ، المتوفی : ۲۵۵ھ۔
۳۔ دلائل امام بیہقی ، المتوفی : ۴۳۰ھ۔
۴۔ دلائل ابی نعیم الاصفہانی ، المتوفی : ۴۳۰ھ
۵۔ دلائل المستغفری ، المتوفی : ۴۳۲ھ

۹- دلائل ابی القاسم اسماعیل الاصفہانی ، المتوفی : ۵۳۵ ھ

۱۰- خصائص کبریٰ (یہ اس فن کی سب سے زیادہ مفصل کتاب ہے اور اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں معجزات بیان کر دیئے گئے ہیں۔)

مذکورہ بالا عبارتوں کے دونوں مصنفوں سے ہم یہ سوال کریں گے کہ انہوں نے جو کچھ اوپر لکھا ہے ان کے پاس اس کی کیا سند ہے؟ ہم نے جن مستند کتابوں کا ذکر کیا ہے کیا اس موضوع پر ان کے پاس اس سے زیادہ مستند کتابیں ہیں؟ کیا ان کے پاس قرآن کریم، احادیث نبویہ، کتب اسلامی تاریخ اور کتب دلائل کے علاوہ معجزے کے منکر کی کوئی چیز ہے؟

اگر ان کے پاس اپنی بات ثابت کرنے کے لیے کوئی بھی معقول مصدر علمی نہیں ہے تو انہیں اپنے خیالات و افکار پر نظر ثانی فرمانا چاہیئے۔

---

(۱۰)

اسلامی اسطورہ اور خرافات

کیا رسولِ اکرمؐ کے معجزات محض فرضی ہیں؟

اسی موضوع پہ ایک اور مقالہ "اسلامی اسطورہ اور خرافات" نظر سے گزرا جس کا مصنف لکھتا ہے :-
"مذہبی شخصیات سے متعلق افسانے اور قصے :- زیادہ تر فرضی قصے اسلام کی ابھری ہوئی شخصیات کے بارے میں مشہور ہوتے ہیں۔

محمد : "محمد جس کا ایک ہی معجزہ تھا اور وہ ان کے اپنے الفاظ کے مطابق قرآن مجید کا نزول تھا، لیکن ان کی ذات کی طرف بے شمار معجزات اور بہت سی خوارق باتیں منسوب کر دی گئیں ان کی انگلی کے اشارے سے چاند ٹکڑے ہو گیا، پکے ہوئے زہریلے گوشت نے ان سے ہمکلامی کی اور کہا کہ اسے نہ کھایا جائے، کھجور کا تنا ان کے فراق میں رو دیا، ہرن نے ان سے بات کی، ان کا سایہ نہ تھا، ان کے پسینے سے گلاب پیدا ہوا وغیرہ وغیرہ۔ آسمان کی طرف ان کے معراج کو اب بھی بطور معجزہ مانا جاتا ہے۔ وہ پروں والے گھوڑے پر جسے براق کہا جاتا ہے سوار ہوئے اور جبریل کی صحبت میں سات آسمانوں سے گزرتے ہوئے تمام انبیاء سے ملتے ہوئے اللہ کے حضور جا پہنچے اور بالکل تنہا جا پہنچے حتیٰ کہ فرشتۂ الہام جبریل بھی ساتھ نہ جا سکا۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸، جلد ۹، صفحہ ۹۵۰)

ایک ذہین طالب علم آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ مؤلف نے کس قدر ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ جھوٹ کو سچ کے ساتھ گڈمڈ کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ غیر مستند واقعات اور اساطیر کا ذکر کرتا ہے اور اسی سانس میں انتہائی مستند معجزہ کا ذکر کر دیتا ہے وہ ایک طرف کہتا ہے کہ لوگوں میں یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے سے گلاب کا پھول وجود میں آیا، پھر فوراً اس کے بعد معراج کا ذکر کر دیتا ہے یعنی وہ معجزہ جو کہ قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔

[illegible]ف کی یہ عجیب چال ہے کہ وہ خرافات بیان کرتا ہے اور اس کے فوراً بعد انتہائی مستند اور
[illegible] معجزات رسولؐ بیان کر دیتا ہے۔ دونوں ایک ہی سانس میں۔ کس لیے کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ
[illegible] پڑھا لکھا طبقہ اس قدر بیوقوف ہے کہ اس کے سامنے اپنے خاص اسلوب سے جو چیز جس طرح
[illegible] بیان کر دی جائے وہ مانتا چلا جائے گا۔

(۱۱)

حضرت محمد اور حضرت آدم علیہما السلام دونوں کے بارے میں ذُو بیہودہ تصاویر

انہیں سطور کے مابین ایک تصویر نظر آتی ہے جس میں حضور اکرمؐ کو براق پر سوار آسمان کی طرف جاتے دکھایا گیا ہے۔ جبرئیل بھی ان کی صحبت میں ہیں۔ تصویر کو مزاحیہ اور افسانوی رنگ دینے کے لیے حوروں کو بھی ساتھ دکھایا گیا ہے جو اونٹوں پر سوار ہیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸، جلد ۹ صفحہ ۹۵۰)

اسی صفحے پر ایک بیہودہ تصویر بنائی گئی ہے جس میں فرشتے سب کے سب عریاں آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں اور شیطان سجدے سے انکار کر رہا ہے۔ شیطان کو ایک عرب عالم کی شکل میں مصلے پر بحالت نماز دکھایا گیا ہے۔

ہمیں اس بات سے بحث نہیں ہے کہ یہ تصاویر کہاں سے لی گئیں۔ قابلِ غور بات دراصل یہ ہے کہ ان تصاویر کے انتخاب اور پھر انسائیکلوپیڈیا میں ان کے طبع ونشر کا پس منظر کیا ہے اور ان تصاویر سے قاری کے ذہن پر کیا اثر پڑتا ہے اور اس سے صاف پتہ چل سکتا ہے کہ کس ارادے کے تحت ان تصاویر کو انسائیکلوپیڈیا میں شامل کیا گیا ہے۔ تصاویر میں ظاہر کی گئی اشیاء اور ان کے اسلوب کے متعلق مندرجہ ذیل اہم باتیں پیش خدمت ہیں:-

۱۔ اس بات سے صرف نظر کہ اسلام میں ذی رُوح ہستیوں کی تصویر کشی سرے سے حرام ہے۔ ہم اس وقت صرف اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ انبیاء کی تصویریں بنانا صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ تمام ادیانِ سماوی میں حرام رہا ہے اور اسے بے ادبی اور سوءِ اخلاق سمجھا جاتا رہا ہے۔

۲۔ ان دونوں تصاویر سے اُن لوگوں کی بدنیتی کا اندازہ ہوتا ہے جنہوں نے یہ تصویر بنائی یا اسے انتخاب کیا یا شائع کیا۔ ان تصاویر سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عقائدِ اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ مندرجہ ذیل

باتوں کی طرف توجہ دینے سے بات کھل جاتی ہے ۔

(ا) پہلی تصویر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر چند پرندے اڑتے ہوئے دکھائے گئے ہیں ۔

(ب) پہلی تصویر میں حوروں کو اونٹوں پر سوار دکھایا گیا ہے ۔ یہ صرف عرب تہذیب کا مذاق اڑانے کے لیے ہے ورنہ فی الحقیقت اسلامی عقائد میں کہیں بھی یہ بات مذکور نہیں کہ معراج کے موقعہ پر حضور کے ساتھ حوریں بھی اونٹوں پر سوار چل جا رہی تھیں اور نہ یہ بات کہیں قرآن و حدیث میں ملتی ہے کہ حوریں جنت میں اونٹوں پر سفر کیا کریں گی ۔

(ج) دوسری تصویر میں آدم علیہ السلام کو اس عالم میں دکھایا گیا ہے کہ وہ مادر زاد ننگے ہیں ۔ فلیں شیلو بنی ہوئی ہے ۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے برہنہ اعضائے تناسل پر رکھے ہوئے ہیں اور انتہائی گئی گزری حالت میں نظر آتے ہیں ۔

(د) دوسری تصویر میں شیطان کو جبکہ تمام فرشتے آدم کے سامنے سجدہ ریز ہیں اس عالم میں دکھایا گیا ہے کہ وہ مصلے پر نماز کی شکل میں بیٹھا ہوا ہے ۔ عربی لباس پہنا ہوا ہے ۔ لمبی سفید داڑھی ہے ۔ مونچھیں کتری ہوئی ہیں ۔ عبا اور عمامہ پہنا ہوا ہے ۔ سرخ فیض ٹوپی اور مکمل عربی لباس یعنی شیطان کو اس صورت میں دکھایا گیا ہے جو مسلمانوں یا عربوں میں انتہائی عظیم روحانی اور دینی شخصیت کی صورت ہوتی ہے ۔ یعنی محدثین ، اولیاء اللہ ، علماء اور زہاد کو شیطان کے روپ میں پیش کیا گیا ہے" یہ ہے انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کی غیر جانبداری اور علمی امانت اور یہ ہے ان لوگوں کا بھیانک چہرہ جو اپنے آپ کو تعصب سے پاک ظاہر کرتے ہیں ۔

سچی بات یہ ہے کہ ان کی اس قسم کی حرکات ایسی تصاویر اور بیہودہ عبارتوں کو پڑھنے کے بعد دل گواہی نہیں کرتا ہے کہ ان حضرات کو کسی بھی علمی گفتگو کا مستحق سمجھا جا سکے اور انہیں در خور اعتنا سمجھا جائے ۔

---

(۱۲) جہاد :

کیا جہاد کے تصور میں بعد کے زمانے میں کچھ ترمیم کی گئی ؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف لکھتا ہے :-

"اسلامی سلطنت کے قیام کے بعد امت کے رہنماؤں نے جہاد کے تصور میں ترمیم کر دی۔ اب ان کا مسئلہ سلطنت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے اور اس کی تدبیر و انتظام کا تھا چنانچہ اب انہوں نے اسے توسیعی مفہوم دینے کی بجائے اسے دفاعی مفہوم عطا کر دیا۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸، جلد ۹ صفحہ ۹۱۲)

ایک اہم حقیقت یہ ہے جو تاریخ اسلام سے ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان جیسے بھی ہیں انہوں نے اپنے دین کے حقائق کو پوری طرح سے سنبھالا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے اپنے دین میں تحریف کو ہرگز گوارا نہیں کیا۔ اس معاملے میں وہ نصاریٰ سے بالکل برعکس ہیں جنہوں نے تین سو سال کے اندر ہی اندر اپنے دین کا حلیہ بگاڑ دیا اور کچھ اپنے نفس کی خواہشات اور کچھ بادشاہوں کے زیر اثر انہوں نے اپنی توحید کو تثلیث سے بدل دیا۔ اسلامی تاریخ میں تحریف کا امکان نہ ماضی میں تھا اور نہ مستقبل میں ہے، نہ ماضی میں کسی کو اختیار تھا کہ وہ دین کے کسی عقیدے میں تحریف و تبدیلی کرے اور نہ آئندہ کسی کو یہ اختیار حاصل ہو سکے گا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ نظریہ جہاد کا نہ تو توسیع مملکت سے کچھ متعلق ہے نہ مملکت کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے سے اور نہ اس کے انتظام و انصرام سے۔ یہ ساری اصطلاحات اپنے اندر قومیت لئے ہوئے ہیں۔ اسلام ایک آئیڈیالوجی ہے۔ قومیت سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مستشرقین نے ہمیشہ یہ الجھن پیدا کی ہے کہ قومیت زدہ اصطلاحات کو اسلام پر منطبق کرنے کی کوشش کی ہے۔ جارحانہ اور مدافعانہ جیسی اصطلاحات ان جنگوں پر منطبق ہو سکتی ہیں جو کسی خاص قوم یا وطن کے لیے لڑی جا رہی ہوں۔ یہ جہاد پر منطبق نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ جہاد کا عمل ایک آئیڈیالوجی کی خاطر ہے جو بیک وقت جارحانہ بھی ہوتا ہے اور مدافعانہ بھی۔

(۱۳) اشکال اسلام

اسلام کی مختلف صورتیں، فرقہ بندیاں اور اختلافات

"اشکالِ اسلام" کے مصنف نے اپنی ژولیدہ فکری کا سب سے زیادہ اظہار اس مقام پر کیا ہے یہاں اس نے اشکالِ اسلام، فرقہ بندی اور اختلافات کے نام سے ایک طویل عبارت لکھی ہے۔ اس نے خارجیہ، معتزلہ، وہابیہ، اسماعیلیہ، نصیریہ، نزاریہ، یزیدیہ، دروزیہ اور احمدیہ جیسے تمام گمراہ فرقوں کو اسلام کی اشکال میں شامل کر دیا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء، جلد ۹ صفحہ)

یہ سب کچھ تو مصنف نے اسلام اور کفر کا فرق کیے بغیر کیا ہے۔ وہ شخص جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک خاص آئیڈیالوجی کی سرحدیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں اور کہاں ختم ہو جاتی ہیں، وہ کیا بنیادی عقائد ہیں جن کے انکار یا ان کو چھوڑ دینے سے انسان اس آئیڈیالوجی کا حامی نہیں رہتا۔ اس شخص کو اس آئیڈیالوجی پر قلم اٹھانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

مؤلف اپنے اس مضمون میں اسلام اور غیر اسلام میں فرق کرنے میں بالکل ناکام رہا ہے۔ اس نے اسلام کے بنیادی عقائد و تصورات سے یا تو بالکل چشم پوشی کی ہے یا تحقیقی جہالت کا ثبوت دیا ہے اور یا عمداً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام تناقضات اور تضادات کا مجموعہ ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اور تمام علماء متفقہ طور پر جن گمراہ فرقوں کو غیر مسلم اقلیتیں قرار دیتے ہیں۔ بیسیوں کتابیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں کہ اسلام کی سرحدیں کیا ہیں اور کس طرح سے یہ بات آسانی کے ساتھ طے کی جا سکتی ہے کہ فلاں عقائد کا حامل فرد یا گروہ اسلام کے دائرے میں داخل ہے یا اسلام کے دائرے سے خارج۔ یہ بات قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح معیار مقرر کر کے بتائی گئی ہے۔ زیر نظر کتاب اس بات کی متحمل نہیں کہ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جائے ورنہ ان تمام گمراہ فرقوں کے عقائد بیان کر کے منطقی طور پر ثابت کیا جاتا کہ یہ سب کے سب غیر اسلامی ہیں اور اسلام کے دائرے سے خارج ہیں۔ اگر "اشکالِ اسلام" کا مؤلف صحیح اسلام کا مخلص طالب علم ہے تو اسے اس موضوع پر لکھی ہوئی کتب کا ایک مطالعہ کر لینا چاہیے۔

(۱۴)

کیا سات امام درجے میں نبی سے بلند تر ہیں؟

مقالہ "اسلام" کا مصنف اشکالِ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے ائمہ سبعہ کے بارے میں یوں لکھتا ہے:

"نبی محمد کے بعد سات امام آتے ہیں جو اللہ کے ارادہ کی ترجمانی کرتے ہیں اور ایک لحاظ سے نبیؐ سے بلند تر درجہ کے حامل ہیں کیونکہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرتے ہیں، فرشتۂ الہام کے ذریعہ سے نہیں"۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا جلد ۹ صفحہ ۹۱۶)

کیا اسلام جس کی بنیاد قرآن وسنت ہے، اس قسم کی آوارگی اور ژولیدہ فکری کو قبول کرسکتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو اسلام کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، انہیں چاہیے کہ سیدھی طرح سے اسلام کو اس کے صحیح مصادر سے سمجھنے کی کوشش کریں اور وہ ہیں قرآن کریم اور سنتِ طیبہ۔ یہ انتہائی غیرعلمی نامعقول اور نامناسب بات ہے کہ اسلام کے بارے میں ایک رائے قائم کی جائے اور وہ رائے قرآن وسنت پر مبنی نہ ہو بلکہ ان چند لوگوں یا چند افراد یا چند فرقوں کے اعمال پر مبنی ہو۔ جو اپنے آپ کو کسی نہ کسی طرح اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے یا ہر وہ فرقہ جو اس بات پر مصر ہے کہ اپنے آپ کو دائرۂ اسلام میں داخل سمجھے اس کے ہر نظریہ، ہر عمل اور ہر رنگ ڈھنگ کو عین اسلام قرار دینا کسی معقول آدمی کا کام نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ مؤلفین ہی کا کام کیا ہے۔

(۱۵)

کیا قادیانی مسلمان ہیں؟

زیر بحث مقالہ "اسلام" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸، جلد ۹، صفحہ ۹۱۸) ۱۹۷۸ء میں چھپا۔

اگر مقالہ نگار بالکل ان پڑھ نہیں تو اس کے علم میں یہ بات ہونی چاہیئے کہ صحابہ کرام کے دور میں ہی کل اُمت نے اس بات پر اجماع کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو شخص بھی نبوت (خواہ کسی انداز میں) دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے، دجال ہے، اس کے دعویٰ پر غور نہیں کیا جائے گا اور اسے مرتد کی سزا دی جائے گی۔

قادیانی گروہ کے منصۂ شہود پر آتے ہی، اسی اجماع کی روشنی میں، علماء اُمت نے دُنیا بھر میں متفقہ طور سے [illegible] دی کہ تمام قادیانی اسلام سے خارج ہیں۔ پاکستان میں جو ان کا اصل مرکز ہے، طویل اور خونیں [illegible] کے بعد آخر ستمبر ۱۹۷۵ء میں پاکستان کی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

دنیا بھر میں ہر پڑھا لکھا انسان اس صورت حال سے واقف ہے مگر مقالہ نگار کی ڈھٹائی کا جواب نہیں [illegible] اجماعِ صحابہ، علماء اُمت کے قادیانی گروپ کے بارے میں متفق علیہ فتوے اور پھر ۱۹۷۵ء میں پاکستانی عوام کے متفقہ فیصلہ کے بعد ۱۹۷۸ء میں قادیانیوں کو اُمت مسلمہ کا حصہ اور ایک مسلم فرقہ قرار دیتا ہے۔

---

(۱۶)

مصنف کا مسلمانوں کے سوادِ اعظم اہل السنت والجماعۃ کے خلاف خاص بغض

ایک طرف مصنف کے دل میں غیر اسلامی تحریکوں کے لیے نرم گوشہ ہے تو دوسری طرف یہی مصنف مسلمانوں کے سوادِ اعظم یا عامۃ المسلمین : اہلِ سنت کے خلاف ایک خاص بغض رکھتا ہے۔

اسی مقالہ "اسلام" میں صفحہ ۹۱۶ پر لکھتا ہے :

"جس طرح سے قرآن نے دیگر قوموں کے مقابلے میں اُمّتِ مسلمہ کا تصور اجاگر کیا۔ اہلِ سنت نے اسی طرح سے اکثریت یا عامۃ المسلمین کے تصورات اور رسوم کو دیگر فرقوں کے مقابلے میں اہمیت دی۔ کثرت سے ایسی احادیث نبی کی طرف منسوب کر دی گئیں جن کا مفہوم یہ تھا کہ مسلمانوں کو اکثریت کے طریقے کی پیروی کرنا چاہیئے اور اقلیت کے سارے گروپ جہنم کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا دستِ حفاظت ہمیشہ اکثریت کے طبقے پر ہے جو کبھی بھی غلطی نہیں کھا سکتا۔ اس نئی حدیث کی روشنی میں وہ طبقہ جسے قرآن مجید میں ایک خاص مشن کی تربیت دی تھی اور جسے ایک چیلنج قبول کرنے پر تیار کیا تھا، اب وہی طبقہ ایک خصوصی مراعات کا حامل طبقہ قرار دیا گیا جس کے بارے میں یہ طے پایا کہ اس سے غلطی سرزد ہونا غیر ممکن ہے۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸ء، جلد ۹، صفحہ ۹۱۶)

مقالہ نگار مذکورہ بالا مختصر سی عبارت میں شدید غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ غلط بیانیاں درج ذیل ہیں:

۱۔ اہلِ سنت نے اکثریت یا عامۃ المسلمین کو دیگر فرقوں پر ترجیح دی۔

۲۔ اکثریت کی پیروی سے متعلق بہت سی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دی گئیں۔

۳۔ اقلیت کے سارے گروپ جہنمی ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا دستِ حفاظت ہمیشہ اکثریت پر ہے۔

۵۔ اکثریت کا طبقہ معصوم عن الخطا رہے۔ کبھی غلطی نہیں کر سکتا۔

۶۔ اکثریت کا طبقہ خصوصی مراعات کا حامل ہے۔

مقالہ نگار اکثریت کو اجماع اور سوادِ اعظم سے خلط ملط کر رہا ہے۔

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست

مزید یہ کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ سوادِ اعظم کا تعلق اجماعِ اُمت سے ہے، اکثریت سے نہیں۔ اجماع علمائے اُمت کے درمیان ہوتا ہے۔ اس اجماع کے مطابق چلنے والے سوادِ اعظم خواہ وہ اقلیت میں ہی کیوں نہ ہوں۔ رہ گئی جاہل عوام کی بھیڑ تو وہ اکثریت ہے۔

اکثریت کے بارے میں اسلام کا تصور مختصراً پیشِ خدمت ہے۔

---

(۱۷)

کیا اسلام کے نزدیک اکثریت خطا سے پاک ہوتی ہے؟

یہ ایک سفید جھوٹ ہے کہ اسلام نے اکثریت کو ایسی کوئی خصوصیت عطا کی ہے۔ زیر بحث مقالہ "اسلام" کا مؤلف غالباً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ:

"لا تجتمع امتی علی الضلالة"

ترجمہ: میری امت کبھی بھی گمراہی پہ مجتمع نہیں ہوگی۔

حضور کے اس قول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مؤلفِ اسلام کے بارے میں یہ تاثر دینا چاہتا ہے کہ اسلام میں اکثریت کو معصوم عن الخطا ہونے کا درجہ دیا گیا ہے۔

بے چارہ مؤلف اپنی جگہ پہ مجبور ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت عیسائی ماحول میں ہوئی ہے اور وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اسلام میں بھی اکثریت کو وہی تقدس حاصل ہے جو عیسائیت میں ہے۔ تاریخی مسیحیت میں اکثریت نے یہاں تک اثر دکھایا کہ سن ۳۲۵ء میں اکثریت کی بنیاد پر دینِ مسیح کو توحید کے دائرے سے نکال کر تثلیث کے چنگل میں ڈال دیا گیا۔

یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ اسلام میں اکثریت کا ایسا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ یہاں پر حق، حق ہے اور باطل، باطل ہے اور اس کا تعلق ماننے یا نہ ماننے والوں کی تعداد سے نہیں ہے۔ مؤلف نے اکثریت اور اجماع دونوں مصطلحات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ انہوں نے اجماع سے متعلق احادیث کو اکثریت پہ منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ عین جہالت ہے۔ اجماع علمائے اُمّت کے متفقہ فیصلے کو کہتے ہیں۔ اور اکثریت کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف اکاون اور دوسری طرف انچاس انسان ہوں۔

اب آیئے دیکھیں کہ قرآن مجید اکثریت کے بارے میں کس رائے کا اظہار کرتا ہے۔

۱۔ "وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ" (انعام)

اور اگر آپ زمین میں رہنے والے اکثر لوگوں کی اطاعت کریں گے تو یہ لوگ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔"

۲۔ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ (المائدہ-۱۰۰)

اے نبی ! لوگوں سے کہہ دیجیے کہ خبیث اور طیب برابر نہیں ہوا کرتے خواہ خبث اختیار کرنے والوں کی کثرت تمہارے جی کو بھائے کیوں نہ لگے۔"

۳۔ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ (المائدہ : ۴۹)

اور لوگوں میں سے اکثر تو فاسق ہی ہوا کرتے ہیں"

۴۔ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ (یونس : ۹۲)

اور لوگوں میں سے اکثر ہماری آیات سے غافل ہی ہوا کرتے ہیں"۔

۵۔ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَاسِقُونَ (المائدہ : ۵۹)

اور تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں"

۶۔ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ (زخرف : ۷۸)

ہم تو حق لے کر تمہارے پاس آئے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق کو ناپسند کرنیوالے ہیں"

۷۔ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (سبا : ۱۳)

اور میرے بندوں میں شکر کرنے والے کم ہی ہیں"

اور بات بھی سرے سے غیر معقول ہے کہ اسلام میں اکثریت کو یا کسی خاص طبقے کو معصوم عن الخطا قرار دیا جائے۔ کوئی طبقہ یا کوئی فرد اسلام کے نزدیک معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ اس موضوع پہ بہت سی تفصیلات موجود ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قال النبی — ادم خطاو خير الخطائين التوابون (مسند احمد ۳/۱۹۸ و صحیح حاکم)

"تمام انسان خطاکار ہیں اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنیوالے ہیں"۔

(۱۸)

خدا کے حفاظتی ہاتھ سے کیا مراد ہے؟

خدا کے حفاظتی ہاتھ کی اصطلاح۔

مؤلف نے اپنے مقالہ اسلام میں استعمال کی ہے غالباً وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

" ید اللہ علی الجماعۃ "

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔

اب اسے سادہ لوحی کہیے یا چالاکی کہ مقالہ نگار نے لفظ " جماعت " COMMUNITY استعمال کرنے کے فوراً بعد قوسین میں " اکثریت " MAJORITY OF لکھ دیا ہے۔ یعنی حسب معمول " اکثریت کو جماعت " یا " اجماع " یا " سواد اعظم " کے معنوں میں استعمال کیا ہے اور خلط مبحث کا شکار ہے ظاہر ہے کہ حدیث کا تعلق کسی خاص طبقے یا اکثریت سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق جماعت اتحاد ہی سے ہے کہ اگر کوئی کام اجتماعیت کے ساتھ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔ اب اس سے یہ مفہوم حاصل کرنے کی کوشش کرنا کہ کسی خاص جماعت پہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ یا کسی خاص گروہ کو اللہ تعالیٰ معصوم عن الخطا قرار دے رہے ہیں یا اکثریت جو بھی فیصلہ کرے گی اس میں خطا کی گنجائش نہیں ہوگی۔ یہ سب باتیں اس حدیث نبوی میں تحریف تو کہلائی جا سکتی ہیں۔ تشریح نہیں کہلائی جا سکتیں۔

---

(۱۹)

کیا فری میسن تحریک اسلام کی ایک شاخ ہے؟

مصنف بے چارا اسلام کی دشمنی میں اس حد تک اندھے پن کا شکار ہو گیا ہے کہ اس نے فری میسن تحریک کو اسلام کے قریب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لیے اسے دو قدم اٹھانے پڑے۔

۱۔ اس نے دروزی تحریک کو یعنی دروزیوں کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کیا۔

۲۔ اس نے یہ ظاہر کیا کہ فری میسنری تحریک دروزیوں سے متاثر ہوئی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"دروزی فرقہ گیارھویں صدی میں اٹھا اور فاطمی خلیفہ الحاکم کے دور میں خلیفہ کی الوہیت کا قائل بن کر نمودار ہوا۔ بعض اہل علم کا یقین ہے کہ فری میسن تحریک اپنے ابتدائی مرحلوں میں دروزی رسومات سے متاثر ہوئی۔"

(انسائیکلوپیڈیا طبع ۱۹۶۸، جلد ۹، صفحہ ۹۱۷)

مقالہ نگار نے انتہا درجہ کی بد دیانتی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ بات ہر کس و ناکس کو معلوم ہے کہ فری میسن تحریک دنیا بھر میں اسلام کے بدترین دشمنوں میں شمار ہوتی ہے مگر وہ ہر طرح سے ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ ابتدائی مراحل میں اسلام کی تربیت یافتہ تحریک ہے۔

(۲۰) عدل اور کثرتِ ازدواج

کیا قرآنِ کریم کی رُو سے عدل ناممکنات میں سے ہے؟

مقالہ "اسلام" کا مؤلف لکھتا ہے :۔

"قرآن اس بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ "تم کبھی بھی عورتوں کے درمیان عدل نہ کر سکو گے خواہ تم کتنا ہی عدل و انصاف کرنا چاہو"۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۷۸، جلد ۹، صفحہ نمبر ۹۲)

مستشرقین یا ان کے مقلدین افراد کی علمی بددیانتی کا یہ مخصوص انداز ہے ۔ مقالہ اسلام کے مؤ نے قرآن مجید کی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۲۹ نصف تو نقل کر دی لیکن بقیہ نصف کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے ۔

یہی مجرمانہ انداز میں اس شخص نے اس قرآنی آیت کو اپنا من چاہا مفہوم دینے کی کوشش کی ہے اور وہ مفہوم یہ کہ تم ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتے ہو اور تمہیں اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے کہ بیویوں میں عدل و انصاف کر بھی رہے ہو یا نہیں ۔ اس لیے کہ اگر تم چاہو بھی تو بیویوں میں عدل کے تقاضے صحیح طور پر پورے نہیں کر سکو گے ۔

مقالہ نگار نے فی الواقع قرآن مجید پر یہ الزام لگایا ہے اور اس کے سر یہ تصور تھوپ دینے کی کوشش کی ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں میں صحیح طور پہ عدل کرنا ناممکنات میں سے ہے ۔ اب اس تصور کا نتیجہ واضح ہے کہ جو چیز سرے سے ممکن ہی نہیں ہے تو اس کے پیچھے پڑنے سے کیا حاصل ! مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرو خوب مزے اڑاؤ ان میں آپس میں انصاف کرنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے اس لیے کہ وہ سرے سے ممکن ہی نہیں ۔

مقالہ نگار کے اس نصف آیت کے انتخاب سے قرآن مجید کو جو معنے پہنائے جا رہے ہیں اس

یعنی کہ قرآن مجید ایک طرف تو ایک سے زیادہ شادیاں کرنے کی اجازت دیتا ہے اور دوسری طرف عدل کو ناممکنات میں سے قرار دیتا ہے تو فی الحقیقت چاہتا یہ ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کو جس طرح چاہے پورا کرے اور عدل، انصاف اور ضمیر کی آواز کی طرف بالکل توجہ نہ دے۔

قرآن آیت کے اس نصف ٹکڑے کو اپنے سیاق سے علیحدہ کرنے کے بعد مستشرقین نے اسلام پر اور پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزامات و اتہامات کی جو عمارت کھڑی کی ہے وہ انتہائی بھیانک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام نفسانی خواہشات کی پوجا کا نام ہے جس میں کہ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کو عام اجازت دی گئی ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی آیت کے اس ٹکڑے کو جان بوجھ کر اس کے ماسبق اور مابعد سے علیحدہ کر لیتے ہیں۔ دوسری خطرناک بات وہ یہ کرتے ہیں کہ وہ عدل کے اس مفہوم کو ہی سرے سے نظر انداز کر دیتے ہیں جس مفہوم میں قرآن مجید نے اسے اس موقع پہ استعمال کیا ہے۔

دراصل اس جگہ پر لفظ عدل دو معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

۱۔ عدل مادی معنوں میں :

یعنی ان معنوں میں کہ مادی، معاشی، ظاہری امور کے اندر تمام بیویوں میں بالکل عدل و انصاف کیا جائے اور مساوات کا سلوک رکھا جائے۔ ان کو ایک طرح کا خرچہ دیا جائے۔ ایک طرح کی رہائش، ایک طرح کی خوراک، ایک طرح کا لباس اور برابر برابر وقت ان میں گزارہ جائے۔ ان معنوں میں ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل کرنا ناممکن نہیں ہے بلکہ اسلام کے نزدیک یہ فرض ہے۔ اسی آیت کے میں اور عدل کا مفہوم معاشی معنوں میں صاف طور پہ خود قرآن مجید کے اندر ہی واضح طور پہ موجود ہے یعنی آیت میں قرآن مجید نے معاشی معنوں میں عدل کو انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔

"وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ" (النساء ١٢٧) ترجمہ: یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو۔

۲۔ عدل معنوی مفہوم میں :

عدل کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مادی، معاشی اور ظاہری امور کے علاوہ وہ امور جن کا تعلق محض جذبات

محبت اور باہمی لگاؤ سے ہے اس میں بھی ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کی کوشش کی جائے یعنی تمام بیویوں کے ساتھ ایک جیسی محبت کی جائے۔ تمام بیویوں کے ساتھ ایک جیسے قلبی جذبات رکھے جائیں۔ یہ فی الحقیقت ناممکن ہے اور نہ عملی طور پر قابل عمل۔ عدل کے اسی مفہوم میں قرآن مجید نے کچھ رخصت دی ہے اور اسی کے بارے میں قرآن مجید نے کہا ہے کہ تم جتنا بھی چاہو اس معاملے میں تم تمام بیویوں کے درمیان صحیح طور پر عدل نہیں کر سکو گے۔

اس نصف آیت کے دوسرے نصف کی طرف بھی اب توجہ کیجئے اس میں واضح طور پر تاکید کی گئی ہے کہ انسان کو اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک بیوی کی طرف انسان بالکل جھک جائے اور دوسری کو ہوا میں معلق چھوڑ دے۔ یہ درست ہے کہ انسان اپنے جذبات میں اور محبت میں صحیح طور پر مساوات اختیار نہیں کر سکتا لیکن اسے اپنی حد تک کوشش ضرور کرنی چاہیے اور افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے۔

اصل بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ محبت اور قلبی جذبات میں صحیح درجے کا عدل ممکن نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان کو جس حد تک ممکن ہو، عدل کی کوشش کرنی چاہیئے۔ جس قدر ہو سکے اپنے جذبات پر قابو پانا چاہیئے ورنہ کم از کم محبت کے اظہار میں یکسانیت اختیار کرنی چاہیئے۔

اسلام اور قرآن مجید پر عدل کو ناممکن قرار دینے والے حضرات کی طرف سے عائد کردہ الزامات کی پوری عمارت دھڑام سے گر پڑتی ہے۔ اگر ہم اس آیت کو مکمل طور پر پڑھ لیں اور اس کے ماسبق اور مابعد کا مطالعہ کر لیں تو مقالہ نگار کی علمی دیانت پر بہت رحم آتا ہے۔ لیجئے دونوں آیتیں مکمل طور پر نقل کی جاتی ہیں۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ۝

(سورۃ النساء ، ۱۲۹ ، ۱۳۰)

انصاف، اور تم ہرگز برابر نہ رکھ سکو گے عورتوں کو اگرچہ اس کی حرص کرو۔ سو بالکل ایک طرف نہ جھک
جاؤ کہ ایک عورت کو لٹکتا چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کرتے رہو اور پرہیزگاری کرتے رہو تو اللہ
بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو بے پروا کر دے گا۔
اپنی کشائش سے۔ اور اللہ کشائش والا تدبیر جاننے والا ہے۔"

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی اگر کئی عورتیں نکاح میں ہوں تو یہ تم سے نہ ہو سکے گا کہ محبت قلبی اور ہر امر میں
بالکل مساوات اور برابری رکھو مگر ایسا ظلم بھی نہ کرو کہ ایک کی طرف تو بالکل جھک جاؤ
اور دوسری کو درمیان میں لٹکتی رکھو۔ نہ تو آرام سے رکھو نہ بالکل علیحدہ ہی کرو کہ وہ دوسرے
سے نکاح کر سکے۔ یعنی اگر اصلاح و مصالحت کا معاملہ کرو گے اور تعدی اور حق تلفی سے
بچتے رہو گے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے۔ اگر زوجین جدائی ہی کو پسند
کریں اور طلاق کی نوبت آ جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کا کارساز ہے اور سب
کی حاجات پوری کرنے والا ہے۔ اس میں اشارہ ہے۔ اس طرف کہ زوجہ کو راحت سے
رکھے اور ایذا نہ دے اور اس پر قادر نہ ہو تو پھر طلاق دے دینا مناسب ہے۔"

صاف پتہ چل گیا کہ قرآن مجید کی آیت کے صرف نصف ٹکڑے کو نقل کر دینے سے مقالہ نگار نے
کس ہوشیاری کے ساتھ اس کے مفہوم کو الٹ دیا اور اسے غلط معنی پہنا دیئے۔ انہی غلط معنوں کی بنیاد
پر اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مستشرقین نے اتہامات کی عمارت کھڑی کر دی ہے۔

---

(۲۱)

کیا رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی یا فرار ہو گئے تھے ۔؟

یہی مصنف لکھتا ہے کہ :

"۶۲۲ء میں نبیؐ مدینہ کو فرار ہو گئے تھے ۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد نمبر ۹ صفحہ ۹۱۲)

ہر پڑھے لکھے انسان کو تہذیب کے دائرے میں رہنا چاہیئے اور ایک نبی کے لیے یہ الفاظ استعمال نہیں کرنا چاہییں کہ "وہ فرار ہو گئے"۔ فرار کا لفظ عام طور پر مجرمین کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔ تمام انبیاءؑ نے ہجرت کی ہے اور ان کے لیے ہجرت ہی کا لفظ استعمال ہونا چاہیئے ۔

ہجرت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی خاطر اور اس کے حکم سے اپنے گھر، مال اور ہر چیز کو چھوڑ دینا ۔ تمام انبیاءؑ نے اسلام کی خاطر جو کہ انسانیت کا اصل دین ہے ہجرت کا عمل سر انجام دیا ہے ۔ یہ انتہائی بے ادبی اور گستاخی ہے کہ نبیؐ کے لیے ہجرت کی بجائے "فرار" کا لفظ استعمال کیا جائے ۔

(۴۲)

کیا رسولِ اکرمؐ اور اہلِ ایمان کو مکہ مکرمہ میں کوئی ایذا نہیں دی گئی ؟
کیا مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ صرف مالی اور عسکری اسباب کے تحت تھی ؟

مقالہ محمدؐ کا مصنف لکھتا ہے :-

"یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں کس حد تک تکلیف پہنچائی گئی - جسمانی تکلیفیں تو شاذ ہونے کے برابر تھیں اور اگر تھیں بھی تو خاندان کے اندر اندر - محمدؐ کو بہت معمولی درجے کی تکالیف پہنچائی گئیں مثلاً یہ کہ گھر کے دروازے کے باہر کوڑا کرکٹ پھینکا گیا - کہا جاتا ہے کہ مسلمان ایذا سے تنگ آکر ہجرتِ حبشہ پر مجبور ہوگئے - حالانکہ اغلب ہے کہ وہ محمدؐ کی خاطر فوجی امداد اور تجارت کے مواقع تلاش کرنے کے لیے نکلے تھے"

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ۱۹۷۸ء جلد ۱۲ صفحہ ۶۰۸)

اس موقع پر ہم صرف چند مصدقہ اور مستند تاریخی واقعات کا ذکر کر دیں گے جن سے پتہ چل جائے گا کہ مقالہ نگار کس حد تک علمی دیانت وامانت کے حامل ہیں۔

۱۔ حضرت زینبؓ جو حضورِ اکرمؐ کی بیٹی تھیں جب مکہ سے مدینہ کو ہجرت کر کے جا رہی تھیں تو ہبار بن اسود نے ان پر حملہ کیا اور انہیں اونٹ سے گرا دیا وہ حاملہ تھیں ان کا استقاط حمل ہوا اور اسی سبب سے ان کا انتقال ہوگیا۔

۲۔ حضرت یاسر اور ان کی بیوی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ابوجہل نے اسلام لے آنے کے جرم میں اس قدر ایذا پہنچائی کہ وہ جاں بحق ہوگئے۔

۳۔ حضرت بلالؓ اور ان جیسے دوسرے اصحاب کو اس قدر ایذائیں پہنچائی گئیں کہ خود کفار کا نپ اٹھے انہیں انگاروں پر لٹایا گیا اور دوپہر کے وقت تپتی ریت پر لٹا کر ان پر پتھر رکھے گئے۔

۴۔ اہلِ قریش نے حضورِ اکرمؐ اور آپؐ کے خاندان اور تمام مسلمانوں کا معاشی اور سوشل بائیکاٹ کیا اس

کے باعث آپؐ اپنے خاندان اور تمام مسلمانوں کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوئے اور اڑھائی سال تک شعب ابی طالب میں قید کا زمانہ اس قدر سخت تھا کہ لوگوں کو گھاس، پتے، چمڑا اور اسی قسم کی دوسری چیزیں کھا کھا کر اپنی زندگی باقی رکھنا پڑی۔ بھوک سے بلکتے بچوں کی چیخیں خود اہل قریش کے مسامع سے ٹکرا ٹکرا کر واپس ناکام لوٹتی رہیں۔ مگر اس قدر شدید تھا کہ خود ظالموں سے بھی برداشت نہ ہو سکا اور انہوں نے تنگ آکر خود ہی بائیکاٹ ختم کر دیا۔

قریش کے تمام قبائل نے مل کر یہ طے کیا کہ ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر نوجوان منتخب کیا جائے اور یہ سب لوگ مل کر رات کے وقت حضور اکرمؐ پر یکبارگی وار کریں اور حضورؐ کو قتل کر دیں تاکہ حضور اکرمؐ کا خون تمام قریش کے قبیلوں میں بٹ جائے اور بنو ہاشم کسی سے بدلہ نہ لے سکیں۔ عین اسی رات جب کہ آپؐ کے قتل کا پروگرام تھا حضورؐ نے ہجرت فرمائی اور ان کے سامنے سے ہی نکل کر چلے گئے۔ یہ اور اس قسم کے سیکڑوں مستند تاریخی واقعات ہیں جن میں حضور اکرمؐ اور مسلمانوں پر ہر قسم کے مظالم کا ذکر آتا ہے۔ اس قسم کے واقعات کو سامنے رکھیے اور مقالہ نگار کی اس عبارت پر غور کیجیے "جسمانی اذیت تو نہ ہونے کے برابر تھی اور اگر تھی تو خاندان کے اندر اندر تھی۔ مگر کورسٹ معنوی وجہ کی تکالیف پہنچائی گئیں۔"

اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف مقالہ نگار کے مطابق مسلمانوں کی ہجرت حبشہ کفار کی طرف سے ایذا رسانی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ ہجرت حبشہ کا مقصد محمدؐ کی نامطلوبہ فوجی امداد اور تجارت کے مواقع تلاش کرنا تھا نجاشی شاہ حبشہ دل ہی دل میں مسلمانوں کا ہی خواہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تجارتی اور فوجی امداد کے مواقع موجود تھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حبشہ میں تجارت اور فوجی امداد کے حصول کے لیے گئے تھے تو آخر ان دو مقاصد کے حصول میں کیا امر مانع تھا؟ شاہ حبشہ کو فوجی امداد اور تجارت کے معاملہ میں کونسی رکاوٹ درپیش تھی؟ لیکن ہم مقالہ نگار سے یہ پوچھیں گے کہ کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے حبشہ کے ساتھ کس حد تک تجارت کی اور حبشہ کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کتنی فوجی امداد آئی؟

کیا اسلام ایک عورت سے بیک وقت کئی مردوں کی شادی اور اختلاط انساب کی طرف لے جاتا ہے؟

ستارتھ نجم کا مصنف لکھتا ہے:

"محمد کی آمد سے پہلے معاملات کا پس منظر یہ تھا کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ لوگ اپنا سلسلہ نسب عورتوں کی طرف رکھتے تھے مردوں کی طرف نہیں (یعنی ایسا نظام جس میں خاندان، نسب، عزت اور ورثہ عورت کی جانب منسوب کیا جاتا ہے)، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے اور ایک ایسا نظام چل گیا جس میں ایک عورت کو بیک وقت کئی خاوند رکھنے کی اجازت تھی اور یہ بات بعض وقت اختلاط انساب تک پہنچ گئی۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۱۹۰۰ء، جلد ۱۲ صفحہ ۲۰۹)

یہ سفید جھوٹ اور انتہائی بیہودہ بات ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ جاہل عربوں کے دور میں نسب والد کی بجائے والدہ کی طرف کیا جاتا تھا یعنی لوگ باپ کی بجائے ماں کی طرف منسوب کیے جاتے تھے اور عزت، ورثہ اور نسب عورت کے نام پر ہوتا تھا مردوں کے نام پر نہیں۔ جاہلی عرب کے لوگ تو عورتوں کو باعث عار سمجھتے تھے۔ وہ اپنی بیٹیوں کو کسی کے ہاتھ دینے کی بجائے زندہ درگور کر دیتے تھے۔ ان کا اعزاز و افتخار اپنے آباؤ اجداد پر تھا۔ ماؤں اور نانیوں پر نہیں۔ بلکہ اس زمانے میں عورتوں کو انسان ہی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ وہی دور تھا کہ جب یونان اور روم میں ایک بحث چلی ہوئی تھی کہ عورتوں میں روح بھی پائی جاتی ہے یا نہیں یا عورتوں کا تعلق بنی آدم سے ہے بھی کہ نہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے عورتوں کو بنیادی انسانی حقوق عطا فرمائے۔ یہ بات ایک لمحے کے لیے بھی تصور نہیں کی جا سکتی کہ جاہلی عورتوں میں فخر محسوس کیا کرتے تھے اور اپنی ذات کو باپ کی بجائے ماں کی طرف منسوب کرتے تھے اور عزت یا ورثہ انہیں باپ کی بجائے ماں کی طرف سے منتقل ہوتا تھا۔ جاہلی عربوں کی تاریخ پڑھ لیجیے

بلکہ اسلام لانے کے بعد بھی عربوں کی تاریخ میں اس بات کا واضح ثبوت مل جائیگا کہ سب کے نسب نامے ایک باپ سے بیٹے کی طرف اور بیٹے سے پوتے کی طرف منتقل ہوتے رہے اور انہیں اپنے نسب ناموں کو یاد کرنے اور جگہ جگہ سنانے میں فخر محسوس ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا نسب نامہ عورتوں سے نہیں بلکہ مردوں سے متعلق ہوتا تھا۔ وہ اپنی ماؤں اور نانیوں پر فخر نہیں کیا کرتے تھے بلکہ آباء و اجداد پر فخر کرتے تھے۔

مقالہ نگار کا بیان ملاحظہ ہو کہ وہ ایک جھوٹ کی بنیاد پر دوسرا جھوٹ تعمیر کرتا ہے۔ یہ الزام لگانے کے بعد کہ عربوں میں نسب نامے عورتوں سے منتقل ہوتے تھے۔ وہ ایک گستاخانہ الزام لگاتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے جو کثرت سے شادیاں کیں اس کا پس منظر یہی تھا کہ لوگ اپنے آپ کو مردوں کے بجائے عورتوں سے منسوب کیا کرتے تھے۔ مقالہ نگار کے اس پس منظر کا اور حضورؐ کی کثرت ازواج کا یہ نتیجہ نکلا کہ بچے باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے اور ایسا نظام چل نکلا کہ جس میں ایک عورت بیک وقت کئی مردوں سے شادی کرتی ہے اور مزید برآں اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ کسی شخص کا کوئی نسب نہ رہا اور اختلاط انساب کی کیفیت طاری ہو گئی۔

اس موضوع پر تفصیلی بحث تو انشاء اللہ پھر کبھی ہو گی۔ اس وقت چند اہم سوالات مقالہ نگار کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں۔

(۱) کثرت ازواج POLYANDRY یعنی ایک بیوی کے بیک وقت کئی خاوند ہونا اور اختلاط الانساب PROMISCUITY کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور اس کی تاریخ کیا ہے اور آج کل یہ دونوں کہاں کہاں پائے جاتے ہیں۔

(۲) اس سلسلے میں عالم اسلام کی صورت حال کیا ہے۔ کیا عالم اسلام کثرت ازواج (ایک بیوی کے بیک وقت کئی خاوند ہونا) اور اختلاط الانساب کا شکار رہا ہے ؟

(۳) اس سلسلے میں اسلام کا نقطۂ نظر اور اس کی عملی اقدامات کیا ہیں ؟

ہمارے ان تینوں سوالوں کے جوابات خود اہل مغرب کی زبانی سنیئے۔

سوال نمبر ۱ ۔ کثرت ازواج ، اختلاط الانساب دونوں کی ابتدا اور تاریخ کیا ہے اور یہ کہاں پائی جاتی ہیں ؟

اس سلسلے میں مقالہ نگار کے نزدیک یورپ کے محققین اور امریکہ کے مصنفین کی رائے زیادہ قابل قبول ہونی چاہیئے۔ ذیل میں ہم انہیں کی کچھ عبارتیں نقل کرتے ہیں :-

"جنسی انتشار، آوارگی اور جنسی آزادی کی تمام صورتیں قدیم سلطنت روما میں پائی جاتی ہیں لیکن زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ آج کل جنسی آزادی عورتوں کے ہاتھ میں ہے اور مغرب کے تمام حصوں میں پائی جاتی ہیں۔ جنسی تعلقات کی تمام پرانی شکلیں آج کل نئی صورتوں میں پائی جاتی ہیں اور ان کو [illegible] دیکھا جاتا ہے۔" ("جنس کا مطلب" از ڈاکٹر ہرش فیلڈ نیویارک [illegible] صفحہ ۶۹)

"ایسی عورتیں جن کے بیک وقت بہت سے خاوند ہوں آج کل ارجنٹینا اور لاطینی امریکہ کے کئی حصوں میں پائی جاتی ہیں۔" (غلاموں کی تجارت از اولیور رینسفورڈ ۱۹۷۱ء، [illegible])

"نیا آزاد معاشرہ عورتوں کی آزادی کا دعویدار ہے۔ کثرت ازواج (ایک بیوی کے بیک وقت کئی خاوند ہونا) آج کل کافی ترقی یافتہ صورتوں میں سویڈن اور ڈنمارک میں پائی جاتی ہے۔"
(جنس و غیر انسانیت، صفحہ ۱۳۹، از پروفیسر ہولبروک، لندن)

"کثرت ازواج یعنی ایک بیوی کے کئی خاوند ہونا آج کل آسٹریلیا کے پرانے قبائل میں پائی جاتی ہے۔ کثرت ازواج کی بہت سی شکلیں آسٹریلیا کے بہت سے علاقوں میں کھلے عام کثرت سے پائی جاتی ہیں۔" ("عورت کی آزادی" از الفریڈ [illegible] صفحہ [illegible])
WOMAN'S LIBERATION P. 124 by ALFRED SMITH, [illegible] PUBLICATIONS [illegible]

"کثرت ازواج اور اختلاط انساب ہمیشہ سے جنسی آوارگی کی شکلوں کے ساتھ قدیم یونان، روم اور فرانس کے بعض حصوں میں ایک طویل عرصے تک یعنی تقریباً تین صدیوں تک پائی جاتی رہی ہیں۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس زمانے کا سماجی دستور تھا۔"
(تاریخ اخلاقیات یورپ، جلد دوم، صفحہ ۲۲ [illegible] از پروفیسر لیکی)
HISTORY OF EUROPEAN MORALS VOL. 2. P. [illegible] by PROF. LECKY.

---

1. THE MEANING OF SEX by Dr. [illegible] A. HEARTFIELD, NEW YORK [illegible]
2. THE SLAVE TRADE by OLIVER RAINSFORD 1971, [illegible]
3. SEX AND DEHUMANIZATION by PROF. HOLBROOK, LONDON

مندرجہ بالا عبارتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے ۔

١۔ کثرتِ ازواج عالمِ اسلام کے کسی بھی حصے میں نہیں پائی جاتی ۔

٢۔ کثرتِ ازواج ان علاقوں میں پائی جاتی ہے جہاں تک اسلام کی روشنی نہیں پہنچی ۔

٣۔ انسائیکلو پیڈیا ( ) سے منقولہ عبارتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کثرتِ ازواج قدیم سلطنت روما ، یورپ ، شمالی امریکہ ، جنوبی امریکہ ، عیسائی افریقہ ، بدھ مت کے علاقے ، جنوب مشرقی ایشیا اور ہندوستان کے ہندو اقوام و قبائل میں پائی جاتی رہی ہے ۔

٤۔ کثرتِ ازواج اور اختلاطِ انساب آج کل دُنیا کے ان ان علاقوں میں پائی جاتی ہے :-
یورپ کے آزاد معاشرے ، امریکہ ، جاپان اور اسپین اور خاص طور پر سویڈن ، ناروے اور ڈنمارک ۔

٥۔ یہ دونوں بیماریاں (کثرتِ ازواج اور اختلاطِ انساب) عالمِ اسلام کے کسی بھی حصے میں نہیں پائی جاتیں ۔

کیا مقالہ نگار کے لیے یہ ممکن ہے کہ عالمِ اسلام کے کسی بھی ملک ، شہر یا چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کی طرف بھی اشارہ کر سکے جہاں پر کثرتِ ازواج یا اختلاطِ انساب ، کسی بھی شکل میں بھی پائی جاتی ہوں ؟

٦۔ اس مسئلے میں اسلام کی عملی خدمت یہ ہے کہ اس نے کثرتِ ازواج اور اختلاطِ انساب کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا اور یہ دونوں بیماریاں مسلم معاشرت کے اندر کبھی بھی داخل نہیں ہو سکیں ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا شدید قانونی نظام ان بیماریوں کو کسی بھی شکل میں قبول نہیں کر سکتا ۔

حقیقت یہ ہے کہ کثرتِ ازواج POLYANDRY انسانی معاشرے میں ایک انتہا ہے دوسری طرف کی انتہا کثرتِ زوجات POLYGAMY ہے ۔ اسلام کثرتِ زوجات کی تو اجازت دیتا ہے (ایک خاوند کی چار بیویاں) اور اس طریقے سے وہ کثرتِ زوجات کی ضد یعنی کثرتِ ازواج کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے ۔

کثرتِ ازواج کا POLYANDRY اصل علاج ایک بیوی تک محدود رہنا MONOGAMY نہیں ہے کیونکہ صرف ایک شادی میں اس بات کی گنجائش ہے کہ دیگر عورتوں سے ناجائز تعلقات رکھے جائیں مگر کثرتِ زوجات اس گنجائش کو تقریباً تقریباً ختم کر دیتی ہے ۔

انسان جذبات کے طوفان میں بہہ جاتا ہے اور وہ فی الحقیقت جذباتی واقع ہوا ہے ۔ فرض کیجئے ایک شادی شدہ نوجوان کی نظر ایک خوبصورت عورت پر پڑ جاتی ہے اور وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے

تو اسے کیا کرنا چاہیئے۔

اسلام میں اس کے لیے ایک دروازہ کھلا ہے اور وہ یہ کہ وہ اس کے ساتھ دوسری شادی کر لے، اگر ناجائز تعلق پیدا کرنے کی خواہش اس کے ذہن میں پیدا نہ ہو۔

اب آیئے دیکھیں کہ اس موقعہ پر ایک غیر مسلم کے لیے کیا کیا امکانات عمل ہیں۔ اس کے سامنے صرف ۲ صورتیں ہیں :-

(۱) وہ یہ کر سکتا ہے کہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے اور نئی محبوبہ سے شادی کر لے اور اپنے پرانے خاندان اور بچوں کو تباہی میں دھکیل دے۔

(۲) یہ کہ خاموشی سے دوسری عورت کے ساتھ ناجائز تعلقات رکھے اور اس سے پیدا شدہ ناجائز بچوں کو پالتا رہے اور جرم چھپاتا رہے۔ عام طور پر دوسرا طرز عمل ہی غیر مسلم سوسائٹی میں اپنایا جاتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں ہر معقول اور انصاف پسند شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اسلام اور غیر اسلامی دنیاؤں میں کونسا وہ نظام ہے جو کثرت ازدواج POLYGAMY یا تعدد احباب PROMISCUITY کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ اسلامی نظام جو انسان کے لیے پاکیزہ معاہدے کا راستہ کھلا رکھتا ہے یا غیر اسلامی نظام جو نکاح کے راستے کو بند کر دیتا ہے اور ناجائز تعلق کے راستے کو کھلا چھوڑ دیتا ہے؟

سطحی ذہن کے لوگ جب اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہیں تو وہ اسلام کی چار بیویوں کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا وہ نہیں دیکھ سکتے کہ ان کے اردگرد کیا ہو رہا ہے؟ وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ایک طرف اسلام کی چار بیویاں ذہن میں رکھیں اور دوسری طرف اہل مغرب کی ایک بیوی اور ساتھ چالیس داشتائیں بھی ذہن میں رکھیں اور پھر دونوں کا موازنہ کریں۔

کیا ان کے معاشرہ میں ناجائز بچوں کے پیدا ہونے کے جو اعداد و شمار ہیں وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ خود انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی اسی طرح برطانیہ کے مقالے میں تقریباً پندرہ سال پہلے عمل لواطت کو قانونی تحفظ دے دیا گیا ہے۔ اور جنسی آوارگی کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ اس انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار اپنے اردگرد مثالی انسانیت، حرامکاری، آوارگی اور انتشار کے طوفان سے تجاہل عارفانہ برتتے ہیں اور جاسوسوں کی طرح ہیں اور مسلسل تلاش کرتے رہتے ہیں تاکہ عالم اسلام اور تاریخ اسلام میں کہیں کوئی خلل اگر ڈھونڈ سکیں تو ڈھونڈ نکالیں اور اس کا خوب ڈھنڈورا پیٹیں۔

مقالہ نگار نے اپنی عبارت میں بیک وقت چار باتوں کو چھیڑا ہے۔

۱۔ تعدد ِ ازدواج۔ POLYGAMY

۲۔ سلسلۂ نسب کا باپ کی بجائے ماں کی طرف ہونا۔ MATERNAL KINSHIP SYSTEM

۳۔ تعدد ِ ازواج۔ POLYANDRY

۴۔ اختلاطِ انساب۔ PROMISCUITY

مقالہ نگار کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ شادیاں کرنے کا پس منظر یہ تھا کہ عرب میں سلسلۂ نسب باپ کی بجائے ماں کی طرف ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ شادیوں کی وجہ چونکہ ماؤں اور نانیوں کی طرف منسوب ہوتا تھا (آباؤ اجداد کی بجائے) اس لیے حضور کی شادیوں کا نتیجہ بھی یہی نکلا۔ باپ کی بجائے ماں کی طرف توجہ زیادہ رہی۔ سلسلۂ نسب ماؤں کی طرف ہو گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تعدد ِ ازواج POLYANDRY اور اختلاطِ انساب PROMISCUITY پھیل گئے۔

جہاں تک سلسلۂ نسب کا آبا کی بجائے امہات کی طرف ہونے کا تعلق ہے تو ہم مقالہ نگار کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ اس کا جاہل عربوں کی تاریخ سے ثبوت دے کر دکھائے۔ اس کے برعکس ہم نے سطور بالا سے ثابت کیا کہ یہ بات عربوں میں نہیں تھی۔ ہر چند کہ ان میں فحاشی کے اڈے موجود تھے کہ ایک عورت کھلم کھلا کئی مردوں کو اپنا خاوند بھی کہتی تھی لیکن سلسلۂ نسب بہرحال مردوں کی طرف ہوتا تھا۔ عورتوں کی طرف نہیں۔

رہ گئی بات تعدد ِ ازواج اور اختلاطِ انساب کی تو ہم مقالہ نگار سے دو سوال کریں گے۔

۱۔ کیا تعدد ِ زوجات POLYANDRY کا کسی طرح بھی منطقی طور پر سلسلۂ نسب کے امہات سے متعلق ہونے MATERNAL KINSHIP SYSTEM سے کوئی رابطہ ہے۔ کیا ان میں اول الذکر مؤخر الذکر کا نتیجہ یا پس منظر ہو سکتا ہے۔

۲۔ کیا تعدد ِ زوجات کا تعدد ِ ازواج اور اختلاطِ انساب POLYADRY AND PROMISCUITY سے کوئی منطقی و عملی ربط ہے۔

(یہ تو دونوں دراصل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک دوسرے کا سبب و نتیجہ کس طرح بن سکتے ہیں)

ان سوالات کی روشنی میں اب مقالہ نگار کی عبارت پر غور کریں۔ صاف پتہ چل جائے گا کہ عبارت منطقی طور پر کس قدر بھونڈی اور لایعنی ہے۔

"محمد کے ازدواجی معاملات کا پس منظر یہ تھا کہ عرب میں یہ دستور تھا کہ وہ لوگ اپنا سلسلۂ نسب عورتوں کی طرف رکھتے تھے۔ مردوں کی طرف نہیں۔ یعنی ایسا نظام جس میں خاندان، نسب، عزت اور وراثت عورت کی جانب منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ باپ کی شفقت سے محروم ہو گئے اور ایک ایسا نظام چل نکلا جس میں ایک عورت کے بیک وقت کئی شوہر ہوں اور یہ باعث بعض اوقات اختلاط انساب تک پہنچ گئی۔"

---

(۲۴)

عیسائی علماء کے بارے میں
مقالہ نگار کا ایک غیر ارادی اعترافِ جرم

عیسائی علماء کس قدر غیر مہذب ہیں اس کا اندازہ مقالہ "محمد" کے مؤلف کی درج ذیل عبارت سے ہو سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ یہ بات مؤلف کے قلم سے غیر ارادی طور پر نکل گئی۔ لکھتا ہے :۔

"بڑی شخصیتوں میں سے کسی کو بھی اس قدر بدترین تہمتوں کا نشانہ نہیں بنایا گیا جس قدر محمد کو۔ قرونِ وسطےٰ میں یورپ کے مسیحی علماء نے اس رنگ میں اس کی تصویر کشی کی کہ وہ دجال ہے، شہوت پرست ہے اور ایک خونی انسان ہے۔ یہاں تک کہ اس کے نام کی ایک بگاڑی ہوئی صورت "ماھاؤند" شیطان کی جگہ استعمال ہونے لگی۔ محمد اور اس کے مذہب کی یہ تصویر کافی اثر و نفوذ رکھتی ہے۔"

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا طبع ۱۹۶۰، جلد ۱۲، صفحہ ۶۰۹)

یہ ایک متعصب مستشرق کی طرف سے اپنے علماء کی ذہنیت کے بارے میں ایک کھلا اعتراف ہے اس صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قول نقل کر سکتا ہوں اور مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

"اذا لم تستح فاصنع ما شئت"

ترجمہ :۔ "اگر تم میں شرم نہیں ہے تو جو جی میں آئے کر گزرو"

اختتام

مجھے جس طرح سے اس بات کا یقین ہے کہ کل سورج نکلے گا، اسی طرح سے مجھے پورا یقین ہے کہ روشنی اندھیرے پر غالب آکر رہے گی۔ اگر سورج کی کرن کسی چمگادڑ کے مزاج کے موافق نہیں ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سورج تو طلوع ہو کر ہی رہے گا۔

انسانیت روبہ ارتقا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے علم و فہم میں بھی ترقی ہو رہی ہے جہالت، تعصب، بد دیانتی، بد نہادی اور جھوٹا پروپیگنڈہ ایک محدود مدت تک ہی انسانیت کا راستہ روک سکتے ہیں۔ ان اندھیروں کو آخر کار چھٹنا ہے۔ انسان اپنی منزل کی جانب سفر کا آغاز کر چکا ہے اور جلد ہی اسے اپنی منزل نمایاں طور پر نظر آ جائے گی۔

ناقدینِ اسلام بھی بہرحال انسان ہیں، آخر کب تک اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کے ہاں بھی ضمیر کی آواز اپنا اثر دکھا کے رہے گی۔ ان کے ہاں بھی کوئی پاکیزہ رُوح اُٹھ کھڑی ہوگی اور اخلاقی جرأت سے اپنی غلطی کا اعتراف کرے گی۔ امید ہے زیرِ نظر کتاب ان حضرات تک پہنچ جائے گی۔ میں اس پاکیزہ رُوح سے خط و کتابت کا منتظر ہوں۔ ہمیں تاریخِ انسانیت میں ایسی عظیم شخصیتوں کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جو سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نقشِ قدم پر چلے۔ آئے تو تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نشانہ قتل بنانے مگر خود ہی کشتہ ناز ہو گئے پھر یہی ہوا کہ پوری زندگی کا ایک ایک سانس، اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنے ساتھ تک گزارا اور اس راہ میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور زندگی بھر ترستے رہے کہ موت آئے تو اس راستے میں، اور قبر نصیب ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں، یہ دُعا کیا کرتے تھے۔

اللهم ارزقني شهادة في سبيلك واجعل قبري في بلد رسولك صلى الله عليه وسلم۔

ترجمہ: "اے اللہ مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما اور اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں قبر نصیب فرما"۔

اے اللہ یہ دعا ہمارے حق میں بھی قبول فرما اور ناقدین اسلام کو بھی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دیانت، شجاعت اور اخلاق جرأت کا ایک پر تو نصیب فرما۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

کتابیات

۱۔ ابن حبان ، ابو حاتم ، مشاہیر علماء الامصار ، قاہرہ

۲۔ ابن حجر عسقلانی ، الاصابہ ، بیروت ، ۱۳۲۸ ھ

۳۔ ۔ ۔ ۔ التلخیص الحبیر ، قاہرہ

۴۔ ۔ ۔ ۔ تہذیب التہذیب ، حیدرآباد دکن ، ۱۳۲۶ ھ

۵۔ ۔ ۔ ۔ فتح الباری ، قاہرہ

۶۔ ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ ، بیروت ، ۱۹۶۶ ء

۷۔ ابن ماجہ ، سنن ابن ماجہ ،

۸۔ ابن عبدالبر ، الاستیعاب ، بیروت ، ۱۳۲۸ ھ

۹۔ ابن ہشام ، سیرت ابن ہشام

۱۰۔ ابوبکر غزنوی ، کتابت حدیث ، لاہور ، ۱۹۷۳ ء

۱۱۔ ابو داؤد ، امام ، سنن ابی داؤد ، حمص (شام) ۱۹۸۰ ء

۱۲۔ احمد ، امام ابن حنبل ، مسند احمد ، بیروت ، ۱۳۸۹ ھ

۱۳۔ البخاری امام محمد بن اسماعیل ، التاریخ الکبیر ، بیروت

۱۴۔ ۔ ۔ ۔ صحیح بخاری

۱۵۔ ترمذی ، امام ابو عیسیٰ ، سنن ترمذی ، بیروت ، ۱۴۰۰ ھ

۱۶۔ حاکم ، امام ابو عبداللہ ، مستدرک الحاکم ، ریاض

۱۷۔ حمید اللہ ، ڈاکٹر ، الوثائق السیاسیہ ، بیروت ، ۱۳۸۹ ھ

۱۸۔ دارقطنی ، سنن دارقطنی ، مدینہ منورہ ، ۱۳۸۶ ھ

۱۹۔ دارمی، سنن دارمی، مدینہ منورہ، ۱۳۸۶ھ

۲۰۔ رازی، ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، حیدرآباد، دکن ۱۹۵۲ء

۲۱۔ ازاہر مزی، المحدث الفاضل، بیروت

۲۲۔ سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، لاہور

۲۳۔ سلیمان ندوی، خطبات مدراس، حیدرآباد (پاکستان)

۲۴۔ شبیر احمد عثمانی، تفسیر القرآن، لاہور

۲۵۔ طبرانی، المعجم الصغیر، مدینہ منورہ، ۱۳۸۸ھ

۲۶ طحاوی، معانی الآثار، قاہرہ

۲۷۔ عبدالرحمٰن مبارک پوری، تحفۃ الاحوذی، بیروت

۲۸۔ مسلم، امام، ابن حجاج، صحیح مسلم

۲۹۔ الہیثمی، نورالدین، مجمع الزوائد، بیروت، ۱۹۶۷ء

30- ALFRED SMITH, "WOMAN'S LIBRATION," TORONTB, 1968.

31- „ „ „ „

32- „ „ „ „

33- „ „ „ „

34- „ „ „ „

35- „ „ „ „

36- „ „ „ „

37- „ „ „ „

38- „ „ „ „ BEIRUT.

مصنّف کی دیگر تصانیف

- تأویل الحدیث کی مابعد الطبیعات
- مقصد حیات اور اس کا حصول
- وجود باری تعالیٰ اور توحید
- وجود اللہ سبحانہ والتوحید (عربی ترجمہ)
- نشری تقریریں
- عظمتِ شہید
- THE ENCYCLOPEDIA BRITANNICA BETWEEN IGNORANCE AND DISHONESTY.
- انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بہتانات (اردو ترجمہ)
- دائرۃ المعارف البریطانیہ بین الجہل والتضلیل (عربی ترجمہ)
- احیائے دین کی اساس۔
- حقیقتِ دُعا۔
- توبہ کی حقیقت۔
- THE PHILOSOPHY OF SIN IN ISLAM.
- HUMAN CAPITAL, A NEGLECTED RESOURCE.
- ISLAM AND THE WELFARE STATE.
- CRISIS OF IDENTITY.